آلِ محمدؐ کربلا میں

عمر ابوالنصر

مقبول اکیڈمی لاہور

آلِ محمدؐ کربلا میں

تالیف
عمر ابو النصر

ترجمہ
شیخ محمدؐ احمد پانی پتی

اہتمام ——— ملک مقبول احمد
طبع اوّل ——— جنوری ۱۹۶۱ء
مطبوعہ ——— اشرف پریس لاہور
قیمت ——— تین روپے

مقبول اکیڈیمی لاہور

ترتیب

حرفِ اوّل

یہ قصّہ قریش کے اس خاندان کا ہے جس نے قربانی، شجاعت اور شہادت کا علم بلند کر کے مشرق و مغرب کے لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کردی۔ اس قصّے کے مرکزی کردار وہ پاکباز لوگ ہیں جن کی زندگی دوسرے لوگوں کی زندگی سے بالکل مختلف اور جن کی موت دوسرے لوگوں کی موت سے بالکل علیحدہ تھی۔ خدا نے اس جماعت کو دُنیا کے سامنے نمونہ بنانے کا ارادہ کیا، اسی لئے اس نے اس گھرانے کو نبوّت وحی اور الہام کی نعمت سے مشرّف کیا اور تقویٰ اور پرہیزگاری پھیلانے کا کام اس کے سپرد کر کے اُسے تمام دُنیا کا رہبر بنا دیا۔

★ ——— عُمر ابو النصر

ہاشمی گروہ

ہاشمی گروہ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں

حضرت ابوبکر صدیق کی بیعتِ خلافت مسلمانوں میں سیاسی اختلافات کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گئی۔ حضرت علی ابن ابیطالب نے آپ کی خلافت کو خوشی کی نظروں سے نہ دیکھا اور اسی وقت سے عرب کے سیاسی افق پر ہاشمی گروہ نمودار ہوا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابتدا میں اس گروہ کی کوئی واضح سیاسی اغراض نہ تھیں۔ اس وقت اس کا مطالبہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے اور یہ حق انھیں ملنا چاہئے۔ لیکن بعد میں ہاشمی سیاست کے علمبرداروں نے اس سیاسی مسئلے کو مذہبی رنگ دے دیا۔ اور اس سلسلے میں انھوں نے ایک خاص نظریہ اختراع کیا جسے نظریہ امامت ووصیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں کا کہنا ہے کہ امیرالمومنین

حضرت علی وصی رسول اللہ اور امام المسلمین ہیں۔ امامت ایسی چیز نہیں جسے امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔ اور مسلمانوں کی کسی جماعت کو اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو بطور امام منتخب کرے بلکہ یہ منجملہ دیگر ارکانِ اسلام کے ایک دینی رکن ہے اور نبی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس سے غفلت برتے اور اسے امت کے سپرد کر جائے بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ اپنی زندگی میں امام کا تعین کر جائے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے بھی حضرت علی کو اپنا وصی اور مسلمانوں کا امام مقرر کیا تھا۔ اس کی تائید میں وہ بعض احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ تاہم جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں حضرت ابوبکر کے عہد میں اس قسم کے کسی مسئلے کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔ اور نہ ہاشمی گروہ نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کے دوران میں کبھی اس مسئلے کو پیش کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی صحابی یا غیر صحابی بلکہ خود حامیانِ علیؑ نے بھی ان امتیازات کا ذکر نہیں کیا جن کا اظہار بعد میں شیعیان علی اور حامیانِ اہل بیت کی طرف سے ہوا۔ حتیٰ کہ خود حضرت علی نے بھی اپنی کسی تقریر یا گفتگو میں اپنے آپ کو وصی رسول اللہ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ حضرت علی کا موقف صرف یہ تھا کہ گو رسول اللہؐ نے اپنی زندگی میں اپنے جانشین کا تقرر نہیں کیا تاہم دیگر قبائل کے مقابلے میں بنو ہاشم کا حق سب سے فائق ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ کے سب سے قریبی عزیز ہیں۔ اگر سرور کائناتؐ

اپنے جانشین کا تقرر کر جاتے تو کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ وہ آپؐ کے ارشاد سے سرتابی کرنے کی جرأت کر سکتا۔ شیعہ اصحاب حضرت علی کی وصیت کے بارے میں واقعۂ قرطاس کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرض الموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو آپ کے حجرے میں جمع تھے ارشاد فرمایا کہ ایک کاغذ لاؤ تاکہ میں تمھیں بعض ایسی ہدایات لکھ دوں جن پر عمل کرنے سے تم گمراہی سے بچ جاؤ۔ ان صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ حضورؐ اپنے جانشین کا تقرر کرنا چاہتے ہیں جو یقیناً حضرت علی ہی ہوں گے۔ چنانچہ انھیں حضرت علی کی خلافت کسی طرح منظور نہ تھی۔ اس لئے انھوں نے شور و شر برپا کر دیا جس پر رسول اللہؐ نے انھیں باہر جانے کا ارشاد فرمایا۔ لیکن یہ محض ایک ظنّی اور بے اصل روایت ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ نہ صحابہ کی یہ مجال تھی کہ وہ حضورؐ کے کسی ارشاد کی مخالفت کر سکتے۔ اور نہ حضورؐ کی تئیس سالہ نبوی زندگی میں کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ حضورؐ نے کوئی ارشاد فرمایا ہو یا کسی کام کا ارادہ کیا ہو اور کسی صحابی نے آپ کی مخالفت کی ہو، یا حکم کے بجالانے سے انکار کیا ہو۔

اس امر کی بیّن دلیل کہ رسول اللہؐ نے اپنے بعد کسی خلیفہ کا تعیّن نہیں کیا یہ ہے کہ حضورؐ کی وفات کے معاً بعد مسلمانوں میں آپؐ کے جانشین کے بارے میں اختلاف برپا ہو گیا۔ اگر سرور کائناتؐ اس بارے میں کوئی

وصیت فرما جاتے تو یہ اختلاف کبھی برپا نہ ہوتا نہ انصار امامت کا مطالبہ کرتے اور نہ مہاجرین ان کے مطالبے کی مخالفت کرتے۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑی سی ردوکد اور بحث ومباحثہ کے بعد انصار اپنا مطالبہ ترک کردیتے ہیں اور مہاجرین وانصار حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر متفق ہو جاتے ہیں۔ حضرت علی اور ان کے چند حامی بیعت سے ضرور علیحدہ رہتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے۔ بالآخر کچھ عرصے بعد حضرت علی بھی ان کی بیعت کرلیتے ہیں۔ اور اس طرح خلیفۂ اوّل کی خلافت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہوتا ہے۔

فتوحات اور ان کے اثرات

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی دور میں مسلمان فتوحات اور ہمسایہ ملکوں کی تسخیر میں اس قدر مصروف تھے کہ انھیں خلافت کے جھگڑوں پر غور وفکر کرنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ لیکن حضرت عثمان کے آخری عہد میں حالات دگرگوں ہونے لگے۔ حضرت عثمان اموی تھے اور انھوں نے اکثر امویوں کو مملکت کے بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کر رکھا تھا۔ ان کے بعض عمال کی بے

بے تدبیری اور کم نظری کے باعث بعض علاقوں میں شورش برپا ہونی شروع ہوئی۔ ان علاقوں کے لوگ حضرت عثمان کے پاس شکایت لے کر آئے حضرت عثمان انھیں مطمئن نہ کرسکے۔ انھوں نے محاصرہ کرکے آپ کو شہید کردیا اور حضرت علی کی بیعت کرلی۔ حجاز اور عراق کے لوگ حضرت علی کے ساتھ تھے لیکن اہل شام آپ کے سخت مخالف تھے۔ اور ان کے سرگروہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان تھے۔ جنھوں نے حضرت علی کی بیعت خلافت کی خبر سنتے ہی حضرت عثمان کے انتقام کا مطالبہ پیش کردیا تھا۔ صحابہ کی ایک جماعت بھی حضرت علی کی سخت مخالف تھی۔ ان میں سے پیش پیش حضرت طلحہ اور زبیر تھے۔ ان دونوں نے حضرت عائشہ کے ساتھ مل کر حضرت علی کے ساتھ بصرہ کے مقام پر جنگ بھی کی تھی۔ حضرت معاویہ بھی صفّین کے مقام پر حضرت علی سے برد آزما ہوئے۔ نہروان کے مقام پر حضرت علی کو خوارج سے بھی جنگ کرنی پڑی۔ ان داخلی اختلافات کے باعث حضرت علی کے عہد میں مملکت کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی۔ حضرت علی کا سارا زمانہ اپنے دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے گزرا اور قبل اس کے کہ آپ ملکی نظم ونسق کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرسکتے اور مسلمانوں کو دوبارہ متحد کرکے محبت والفت کی شیرینی سے ایک بار پھر ذوق آشنا کرسکتے ایک خارجی نے کوفہ کی مسجد میں

تلوار کا وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

ان حالات کی روشنی میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ چوتھے خلیفہ کے عہد میں مسلمانوں کا قدم تعمیر کی بجائے تخریب کی طرف اٹھتا رہا۔ اور اسلام کو دنیا میں پھیلانے اور عربوں کا جھنڈا ہمسایہ سلطنتوں پر گاڑنے کی بجائے وہ آپس میں ہی جھگڑنے اور جنگ و قتال کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فتنہ و فساد کے اس مختصر دور میں مسلمان مقتولوں کی تعداد فارس اور روم کی مجموعی جنگوں میں کام آنے والے مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی۔

وحدتِ قومی کے تصوّر کا فقدان

ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اس عہد میں قومی وحدت کا تصوّر اس قدر مضبوط نہ تھا کہ داخلی جھگڑوں اور شخصی مصلحتوں کے راستے میں روک بن سکتا۔ عرب جاہلیت کے زمانہ میں آزادی اور خود مختاری کے دلدادہ تھے۔ لیکن جس سرعت سے انھوں نے اسلام قبول کیا، اس سرعت سے اجتماعی روح اور وحدتِ قومیت کے تصوّر کو قبول نہ کیا۔ اسی کا اثر تھا کہ فتوحاتِ اسلامیہ کے دوران میں مسلمان ہونے والے قبائل اپنے ساتھ عصبیت کی روح بھی لیتے آئے۔ اس کا بدترین مظاہرہ

جنگِ جمل کے دوران میں ہوا جب کہ کوفہ کے مضریوں نے بصرہ کے مضریوں پر تلوار چلائی۔ بصرہ کے ربعیوں نے کوفہ کے ربعیوں کی گردنیں کاٹیں اور یمن کے قبائل نے اپنے ہی بھائیوں کے سینوں کو اپنے نیزوں اور تیروں کا نشانہ بنایا۔

رسول اللہ ص کے عہد مبارک میں اگر ہمیں قومی عصبیت کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا تو اس کی وجہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات تھی جس کے آگے عرب کا ہر شخص گردن جھکانے پر مجبور تھا اور اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں ہمیں تمام مسلمان اتحاد کی لڑی میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ وہ فتوحات تھیں جن میں مسلمان ہمہ تن مشغول تھے اور جن کے باعث انھیں ان چھوٹے چھوٹے مسائل کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں سے قومی عصبیت کے جذبات بالکل مفقود ہو گئے تھے۔ جذبات موجود تھے لیکن دبے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ص اور شیخین کی زبردست اور پُر اثر شخصیتوں کے باعث لوگ اپنے ان جذبات کا برملا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جب حضرت عثمان سریر آرائے خلافت ہوئے تو ان کی نرمی کے باعث لوگوں کے دبے ہوئے جذبات پھوٹ پھوٹ کر باہر آنے لگے۔ اور قومی عصبیت کا مظاہرہ جا بجا ہونے لگا۔ زمانہ مابعد میں

جو اختلافات برپا ہوئے اور جس طرح فتنہ و فساد کا لاوا ابھوٹا اس کا سب سے بڑا سبب اسی قومی عصبیت کا پیدا ہو جانا تھا۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد اسلامی مملکت میں تین سیاسی گروہ میدان عمل میں آئے جن کے اغراض و مقاصد ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔ پہلا گروہ امویوں کا تھا جس کے سربراہ امیر معاویہ تھے۔ اس گروہ کو شام میں اقتدار حاصل تھا۔ اور یہ کامل وفاداری کے ساتھ اپنے امیر کے ہر حکم کی اطاعت کرتا تھا۔ دوسرا گروہ آلِ ہاشم کا تھا جن کے سردار حضرت امام حسن تھے۔ اس گروہ کا موقف یہ تھا کہ سلطنت و حکومت اور امارت و خلافت صرف اہل بیت کا حق ہے اور کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے مقابلے میں امارت و سلطنت کا دعویٰ کرے۔ تیسرا گروہ خوارج کا تھا جو سیاسی اور مذہبی دونوں لحاظ سے ان مذکورہ بالا گروہوں کے مخالف تھا اور انھیں کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ تلوار کے ذریعہ ان کا استیصال کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ خلافت کے بارے میں اس گروہ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ کسی خاص قبیلے یا خاندان کا حق نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کا حق ہے اور انھیں اختیار ہے کہ اپنے میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں ان تینوں گروہوں کے درمیان دشمنی اور عداوت بڑھتی ہی گئی۔ اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی چلی گئی۔

امیر معاویہ اور ان کے بیٹے یزید کے مرنے کے بعد جب عبداللہ بن زبیر نے حجاز پر تسلط حاصل کیا تو ان اختلافات نے مزید شدت اختیار کرلی۔ اور مسلمانوں کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کی گردنوں پر بے دریغ چلنے لگیں۔

کچھ عرصے تک اسلامی دنیا داخلی اختلافات کی آگ میں جلتی رہی۔ آخر امویوں نے ایک طرف عبداللہ بن زبیر کو شہید کرکے اور دوسری طرف حامیانِ اہل بیت کی طاقت کو کچل کر اپنے لئے راستہ صاف کرلیا حضرت امام حسین کی شہادت نے اگرچہ بہ ظاہر حامیانِ اہل بیت کی طاقت کو ختم کردیا تھا لیکن دلوں میں جو آگ سلگ رہی تھی اسے سرد کرنا امویوں کے بس کی بات نہ تھی۔ اور کبھی کبھی یہ آگ بھڑک کر ان کے لئے سخت پریشانی کا باعث بنتی تھی۔ علویوں کے معاون و مددگار، شعرار اور خطیب لوگوں کے دلوں میں برابر امویوں کے خلاف نفرت و حقارت کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے۔ تاہم بنوامیہ کو سب سے زیادہ جس گروہ کی طرف سے پریشانی لاحق ہوئی وہ گروہ خوارج تھا جو اُن سے بری طرح مسلسل برسرپیکار تھا جب کبھی اموی کسی مقام پر خوارج کی کسی جماعت کو شکست دینے میں کامیاب ہوجاتے تو دوسری جگہ سے خوارج کا کوئی اور گروہ ان کے مقابلے میں نبرد آزما ہو جاتا۔ اور انھیں اپنی ساری قوت و طاقت اس کے مقابلے کے لئے اس جانب منتقل کرنی پڑتی۔ یہ صورت حال تقریباً پچاس

برس تک قائم رہی۔ اور بنو امیہ بڑی مشکل سے خوارج کا استیصال
کرنے میں کامیاب ہوئے۔

مسئلہ خلافت

اہلِ تشیع کے نزدیک

شیعہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلافت کے اصل حق دار صرف حضرت علی تھے اور جن لوگوں نے آپ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو خلیفہ بنایا انھوں نے آپ کا حق غصب کیا۔ وہ ان روایات کو بھی صحیح نہیں سمجھتے کہ رسول اللہؐ نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک سازش تھی جو دراصل (ام المومنین حضرت) عائشہ نے (ام المومنین حضرت) حفصہ بنت عمر بن الخطاب کو اپنے ساتھ ملا کر تیار کی تھی۔ عائشہ رسول اللہؐ صلعم کے بعد اپنے والد کو خلافت کے منصب پر فائز کرنا چاہتی تھیں۔ انھوں نے بلال کے ذریعے لوگوں میں یہ بات مشہور کر دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی

غیر حاضری میں ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ تا قدرتی طور پر لوگوں کے ذہن اس طرف منتقل ہو جائیں کہ رسول اللہ صلعم ابوبکر کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ ورنہ وہ کیوں انھیں اپنی جگہ امام الصلوٰۃ مقرر کرتے۔

حضرت ابوبکر کی بیعت خلافت سے حامیان علی کی توقعات نقش بر آب ثابت ہوئیں۔ اور اسی وقت سے مسلمانوں میں شیعیت کے بیج نے نشو و نما پانی شروع کی۔ یہ بیج آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کے عہد خلافت میں اس نے ایک درخت کی حیثیت حاصل کر لی یزید بن معاویہ کے عہد میں شہادت حسین کے واقعہ ہائلہ کے بعد تو اس کی جڑیں دور دور تک پھیل گئیں اور کسی حکومت کے لئے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ممکن نہ رہا۔

ہمارے نزدیک شیعہ مورخین اور مجتہدین کے یہ اقوال کہ رسول اللہ ؐ نے حضرت علی کو اپنا جانشین بنانے کی وصیت کی تھی اور اپنے بعد انھیں مسلمانوں کا امام مقرر کیا تھا، نیز یہ کہ امامت ایک دینی فریضہ ہے۔ اور رسول اللہ ؐ کی طرف سے مکلف تھے کہ مسلمانوں کو اس کے متعلق واضح ہدایات دے کر جائیں، امت کو بطور خود اپنے میں سے کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرنے کا اختیار نہ تھا سب اموی دور کی پیداوار ہیں۔ یہ الفاظ دیگر شیعہ مذہب کے اصول و فروع اور معتقدات اسی عہد میں کھل کر مسلمانوں کے سامنے آئے

جہاں تک حضرت علی کا تعلق ہے وہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار تو ضرور سمجھتے تھے مگر اس لیے نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے ان کے متعلق کوئی وصیت کی ہوئی تھی اور انھیں اپنا جانشین اور امام المومنین بنا کر گئے تھے بلکہ محض اس لیے کہ وہ رسول اللہؐ کے چچازاد بھائی، آپ کے داماد اور آپ کی سب سے محبوب بیٹی کے خاوند تھے۔ چونکہ دیگر صحابہ میں سے اور کسی کو یہ شرف حاصل نہ تھا اس لئے خلافت کا بھی ان کے سوا کوئی حق دار نہ تھا۔

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی کتاب میں اثنا عشری شیعوں کے ان معتقدات کے متعلق بھی بحث کریں جو امامت اور خلافت سے تعلق رکھتے ہیں۔

شیعوں کے نزدیک رسول اللہ صلعم سے لے کر اب تک بارہ امام گزرے ہیں (اسی لئے انھیں اثنا عشری کہتے ہیں) پہلے امام حضرت علی ابن ابی طالب تھے اور بارھویں امام حضرت مہدی ہیں جو "سر من رائی" کے ایک غار میں چھپے بیٹھے ہیں اور آخری زمانہ میں ظاہر ہو کر اس سرزمین کو جہاں اب تک ظلم و جور کا دور دورہ رہا ہے عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔

اہل سنت جس شخص کو خلیفہ کہتے ہیں شیعہ اسے امام کے نام سے موسوم

کرتے ہیں۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کے اختیارات و فرائض شیعوں کے امام سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اہل سنّت کے نزدیک خلیفہ کی حیثیت محض سلطنت کے آئینی سربراہ کی ہوتی ہے مذہبی امور سے اسے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ وہ دینی معاملات میں کوئی قطعی حکم جاری کرنے کا مجاز ہے۔ لیکن شیعوں کے نزدیک امام مسلمانوں کا دینی اور دُنیوی سربراہ ہوتا ہے۔ ہر قسم کی غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ حدیث اور سنّت کا مفسّر ہوتا ہے۔ اور اس کا ہر حکم خواہ دینی ہو یا دُنیوی واجب العمل ہوتا ہے مسلمانوں میں سے اور کوئی شخص اس کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا تقرر اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

اہل سنّت کے نزدیک خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے لیکن شیعوں کے نزدیک امام کا انتخاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ پہلا امام اپنے بعد ہونے والے امام کو نامزد کر کے جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے اپنے بعد حضرت علی کو امام نامزد کیا۔ حضرت علی نے اپنے بڑے بیٹے حضرت حسن کو امام نامزد کیا، حضرت حسن نے اپنے بھائی حضرت حسین کو امام نامزد کیا۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ بارھویں امام تک چلتا چلا گیا۔

واقعہ غدیر خم شیعہ مؤرخین اس امر کی تائید میں کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کو اپنا وصی اور خلیفہ نامزد کیا تھا واقعہ غدیر خم

کو پیش کرتے ہیں اور اس کی تفصیل یہ بتاتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک تالاب کے کنارے پر جس کا نام خم تھا پڑاؤ ڈالا جب نماز کا وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"کیا میں مومنوں کا ان کی جانوں سے بڑھ کر محبوب نہیں ہوں؟"

صحابہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ اس میں کیا شک ہے"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں دوست ہوں علی اس کا دوست ہے"

یہ روایت ابن واضح یعقوبی کی ہے جو مشہور شیعہ مؤرخ ہے۔ لیکن مسعودی جس کا میلان بھی کسی قدر شیعیت کی جانب تھا لکھتا ہے کہ یہ واقعہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے واپسی پر پیش آیا تھا۔ مسعودی کی بیان کردہ روایت کی اہمیت اس لحاظ سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ کے بعد ۷ھ اور ۸ھ میں متعدد شادیاں فرمائیں۔

کیا ان شادیوں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک لڑکے کی شدید خواہش تھی جو آپ کے بعد آپ کا جانشین بنتا؟

۸ھ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے (جنھیں حاکم مصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا) ابراہیم پیدا ہوئے۔ رسول اللہؐ کو اس بچے کی پیدائش کی بڑی خوشی ہوئی۔ حضرت علیؑ نے بھی اس موقع پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ وہ اکثر ماریہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کی ضروریات کا ہر طرح خیال رکھتے۔ ابراہیم کی ولادت پر حضرت علی کا غیر معمولی اظہار مسرت ام المومنین حضرت عائشہ کی ناگواری کا باعث بنا کیونکہ وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھیں۔

لیکن ابھی ابراہیم دو سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ اللہ کے ہاں سے ان کا بلاوا آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بےحد رنج ہوا۔ اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر رخساروں کو تر کرنے لگے۔ صحابہ کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کیونکہ حضور مرنے والوں پر جزع و فزع سے منع فرمایا کرتے تھے اور صحابہ آنسو بہانے کو بھی جزع و فزع میں شامل سمجھتے تھے لیکن کسی صحابی کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ رسول اللہ صلعم سے اس کے متعلق دریافت کرتا۔ آخر حضرت عمر نے جرأت کرکے یہ سوال پوچھ ہی لیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

"آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کرتے یا کہتے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہو۔"

اگر اللہ تعالیٰ ابراہیم کی عمر دراز کرتا تو یقیناً تاریخ اسلام کا رُخ کسی اور ہی طرف ہوتا۔

حضرت علی خلفائے ثلاثہ کے عہد میں

حضرت علی نے اپنی محبوب زوجہ حضرت فاطمہ بنت محمد صلوات اللہ علیہا کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی تھی حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا رسول اللہؐ کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئی تھیں۔ ان کی وفات سے حضرت علی کی پوزیشن بہت کمزور ہو گئی تھی۔ ان کے اکثر اعوان و انصار انھیں چھوڑ کر حضرت ابوبکر کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے صحابہ اور غیر صحابہ میں سے کوئی ذی اثر شخص ایسا نہ رہا تھا جسے اپنے ساتھ ملا کر وہ حصولِ خلافت کی کوشش کرسکتے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر نے محض حضرت فاطمہ کی وجہ سے ان سے چشم پوشی کی ہوئی تھی۔ اب یہ ذریعہ بھی باقی نہ رہا تھا اور حضرت علی بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔ اور انھیں کسی شخص کی عملی تائید حاصل ہونے کی توقع رہی تھی۔ اسی لئے انھوں نے حضرت ابوبکر کے پاس جاکر ان کی بیعت کرلی اور دونوں کا اختلاف ختم ہو گیا۔ دیگر مسلمان بھی خلافت اور سیاست کے جھگڑوں کو بھول کر فتوحات میں مصروف ہو چکے تھے اور داخلی

تنازعات میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے انھوں نے اپنی کامل توجہ دنیا کی تسخیر کی طرف مبذول کر دی تھی۔

حضرت ابوبکر کے عہد میں حضرت علی کو کوئی معین کام سپرد نہ کیا گیا۔ اور نہ ہی خلیفۂ اول نے انھیں کسی جنگی مہم کا سربراہ بنا کر باہر بھیجا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے انھیں اپنا کاتب مقرر کیا ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے انھوں نے کبھی کبھار مراسلت کے فرائض سرانجام دئے ہوں لیکن ہمارے نزدیک حضرت علی کا بیشتر وقت تلاوت قرآن کریم اور مطالعہ احادیث میں صرف ہوتا تھا۔ غنیمتوں سے انھیں حصۂ وافر ملتا تھا اسی لئے انھیں ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا موقع مل گیا۔ حضرت فاطمہ کی زندگی میں وہ دوسری شادی کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ ہمیں یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ حضرت علی کی عمر اس وقت تیس برس کے لگ بھگ تھی۔ منجملہ دیگر وجوہ کے عمر کی کمی بھی خلافت سے محرومی کا ایک سبب بنی، کیونکہ عرب نوجوانوں کی حکومت کو ناپسند کرتے تھے۔ اور پچاس سال سے کم عمر کا شخص ان کے نزدیک سرداری کا اہل نہ ہوتا تھا۔

حضرت ابوبکر کے عہد میں حضرت علی اسی طرح خاموشی کی زندگی گزارتے رہے۔ طبقات ابن سعد میں حضرت عائشہ سے یہ روایت مروی ہے کہ

جب صحابہ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق اپنے بعد حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں تو حضرت علی اور حضرت طلحہ آپ کے پاس گئے اور کہنے لگے:

"اے خلیفۂ رسول! سوچ لیجئے کہ کل آپ کو اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے جب وہ آپ سے پوچھے گا کہ آپ نے عمر جیسے جابر انسان کو امت کے سر پر کیوں مسلط کر دیا تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟"

حضرت ابوبکر صدیق اس وقت بیمار تھے اور لیٹے ہوئے تھے۔ یہ سن کر آپ نے کہا "مجھے بٹھاؤ"۔ جب گھر والوں نے انھیں بٹھا دیا تو آپ نے فرمایا:

"کیا تم مجھے ڈراتے ہو؟ میں جب اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گا تو کہوں گا کہ اے میرے خدا میں امت کے بہترین شخص کو اپنا جانشین بنا کر آیا ہوں"۔

بعض دوسری روایتوں میں بھی اسی واقعے کا ذکر ہے، لیکن وہاں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے۔ بہرحال خواہ حضرت علی معترضین میں شامل ہوں یا نہ ہوں یہ بات یقینی ہے کہ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد آپ نے حضرت عمر کی بیعت کرنے میں ایک لمحہ کا توقف نہ کیا۔ اور نہ آپ کی خلافت کے طویل عرصے میں اپنے حقوق کا سوال اٹھایا۔ وہ حضرت عمر کے خاص رازداروں اور مقربین میں شامل تھے۔ تمام اہم امور میں حضرت عمر ان سے ضرور صلاح لیتے تھے۔ اور ان کے مشوروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت علی حضرت عمر کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے تو یقیناً اہم رکن تھے تاہم خلیفہ ثانی نے خلیفہ اول کی طرح نہ تو انھیں کوئی عہدہ سپرد کیا اور نہ کسی جنگی مہم کا سالار بنا کر بھیجا۔ دراصل حضرت عمر کو حضرت علی کے اس نظریے سے سخت اختلاف تھا کہ حکومت اور سیادت صرف بنی ہاشم کا حق ہے چنانچہ ایک مرتبہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے حضرت علی سے کہا تھا:

"اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ آپ بنو ہاشم کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دیں گے تو میں آپ کو ضرور اپنا جانشین بنا جاتا۔"

جب حضرت عمر ابو لولو مجوسی کے ہاتھ سے زخمی ہوئے تو آپ نے کسی خاص شخص کو اپنا جانشین بنانے کی بجائے چھ آدمیوں کی ایک مشاورتی مجلس قائم کر دی اور اُسے اختیار دے دیا کہ وہ اپنے میں سے جسے چاہے خلیفہ منتخب کر لے۔ حضرت عمر کو اس بات کا یقین تھا کہ علی ابن ابی طالب اور عثمان بن عفان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی خلیفہ منتخب ہوگا۔ چنانچہ مجلس شوریٰ نے اکثریت سے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ حضرت علی نے بھی بہ امر مجبوری آپ کی بیعت کر لی لیکن دل سے آپ کو ان کی خلافت ناپسند تھی۔ حضرت عثمان کے آخری دور میں حالات بہت خراب ہو گئے۔ لوگوں کو آپ کے عمال سے شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔ خلیفہ ثالث کی نرمی اور حلیمی سے فائدہ اٹھا کر اموی اور خصوصاً مروان بن الحکم امور سلطنت پر حاوی ہو گئے

حضرت عثمان نے انھیں اعلیٰ عہدوں اور بیش قیمت جاگیروں سے نوازا۔ اس طرزِ عمل سے لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ اور انھوں نے خلیفۂ ثالث کے گھر کا محاصرہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ حضرت عثمان کے بعد خلافت حضرت علی کے پاس آئی اور اہلِ مدینہ نے آپ کو خلیفہ تسلیم کر کے آپ کی بیعت کر لی۔ حجاز اور عراق نے آپ کی تائید کی لیکن اہلِ شام جن کی سربراہی معاویہ بن ابی سفیان کر رہے تھے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے اور بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ شامیوں کا بیعت سے علیحدہ رہنا امت کی وحدت اور مملکتِ عربیہ کی سالمیت کے لیے سخت خطرے کا باعث تھا۔ اس لیے حضرت علی کو مجبوراً ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا پڑا۔

تین معرکے

حضرت علی کو اپنے مخالفوں سے تین جنگوں میں نبرد آزما ہونا پڑا۔ دو جنگوں میں آپ کو کامیابی ہوئی لیکن تیسری جنگ ناکامی پر منتج ہوئی۔ اگر اس جنگ میں بھی آپ کو کامیابی ہو جاتی تو یقیناً آپ امت کو متحد رکھتے ہیں، اور دولتِ ہاشمیہ کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے اس صورت میں خوارج کا فتنہ بھی پیدا نہ ہوتا کیونکہ وہ خالصتاً اسی جنگ کی پیداوار تھے۔ اور فتنۂ تحکیم کے نتیجہ میں معرضِ وجود میں

آئے تھے۔

پہلا معرکہ جمل تھا جو حضرت علی اور آپ کے مخالف صحابہ حضرت طلحہ و زبیر وغیرہم کے درمیان وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس جنگ میں حضرت علی کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کامیابی نے آپ کے حوصلے بلند کر دیئے۔ اور آپ اپنے سب سے بڑے اور طاقتور مخالف امیر معاویہ بن ابی سفیان کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ صفّین کے مقام پر فریقین کی فوجیں کئی مہینے تک ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ ڈالے پڑی رہیں۔ لیکن کوئی فریق حزبِ مخالف کی صفوں کو توڑنے اور ان میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا لوگ اس طول طویل جنگ سے اکتا گئے۔ بالآخر تحکیم کا واقعہ پیش آیا اور حضرت علی اس بات پر رضامند ہو گئے کہ ہر دو فریق میں سے ایک ایک ثالث چنا جائے اور یہ دونوں ثالث مل کر فیصلہ کریں کہ حق کس طرف ہے۔ تحکیم کا اثر یہ ہوا کہ خود حضرت علی کے مددگاروں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک گروہ تحکیم کا حامی تھا اور دوسرا مخالف۔ مخالف گروہ کو خوارج کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے حضرت علی سے علیحدگی اختیار کر کے جدید سیاست کی تشکیل کی اور ہر اس شخص سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے جو ان سے اختلاف رکھتا تھا حضرت علی کے

زمانہ میں وہ آپ کی طاقت کو کمزور کرنے کا باعث بنے اور حضرت علی کے بعد انھوں نے بنو امیہ کو ناک چنے چبوا دئے اور وہ بڑی مشکل سے ان کا استیصال کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کو بھی اس جنگ جویانہ ذہنیت رکھنے والے گروہ کے ہاتھوں سخت نقصان پہنچا۔

معرکۂ صفین

جنگ صفین دریائے فرات کے کنارے ایک سطح مرتفع پر لڑی گئی تھی۔ اس علاقے میں سب سے بڑی اہمیت پانی کو حاصل تھی۔ کیونکہ دریا کے سوا دور دور تک پانی نظر نہ آتا تھا۔ شروع میں پانی پر امیر معاویہ کے لشکر کا تسلط تھا۔ کیونکہ وہ دریائے فرات کے کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اپنی برتر حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے حضرت علی کے لشکر کو پانی لینے سے روک دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بزور معاویہ کے لشکر کو دریا سے ہٹا دیں اور خود اس جگہ قابض ہو جائیں، چنانچہ آپ کے لشکر نے ایسا ہی کیا۔ اور معاویہ کے لشکر کو اس کی جگہ سے دھکیل کر خود دریا پر قابض ہو گیا لیکن حضرت علی نے معاویہ کی طرح ان کے لشکر کو پانی لینے سے نہ روکا۔

جنگ صفین کا خطرناک ترین دن وہ تھا جب اشتر نے اپنا مشہور

حملہ کر کے شامیوں کی صفوں میں ابتری پیدا کر دی اور معاویہ کو شکست کا خطرہ سامنے نظر آنے لگا۔ اس پر انھوں نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ نیزوں پر مصحف اٹھائیں اور انھیں حضرت علی کے لشکر کے سامنے کر کے تحکیم کی دعوت دیں۔ یہ حربہ کامیاب رہا۔ حضرت علی کی جماعت میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور ایک فریق نے انھیں تحکیم قبول کرنے اور جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو حضرت علی کی فتح میں کوئی شبہ باقی نہ رہتا۔

معرکۂ صفین سے عربی سیاست کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس سے قبل اسلام دوراہے پر کھڑا تھا۔ ایک طرف حضرت علی اور ان کے ساتھی تھے اور دوسری طرف حضرت معاویہ اور ان کے ساتھی ہر دو فریق یکساں قوت و طاقت کے مالک تھے لیکن جنگ صفین میں تحکیم کا نعرہ بلند ہونے پر خود حضرت علی کی فوج میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس طرح ان کی طاقت تو کمزور ہو گئی لیکن امویوں کی طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد مملکت کا کلی اقتدار امویوں کے ہاتھوں میں آ گیا اور دمشق نئی اسلامی سلطنت کا پایہ تخت قرار پایا۔ اگر حضرت علی کو فتح نصیب ہو جاتی تو شام کو اس قدر اہمیت نصیب نہ ہوتی اور نہ ہی دمشق

اسلامی حکومت کا دار السلطنت بن سکتا۔

معرکہ صفین کا ایک اثر یہ ہوا کہ ایک مضبوط سلطنت قائم کرنے کے متعلق علویوں کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور ان کا سیاسی اقتدار روز بروز کم ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ کچھ عرصے کے بعد بالکل ہی ختم ہو گیا۔ اور وہ ایک سیاسی اقلیت بن کر رہ گئے۔ اگرچہ انھوں نے بعد میں اپنے حامیوں، مددگاروں اور داعیوں کے ذریعے مملکت میں بغاوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی لیکن انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اس صورت حال کے نتیجے میں ان کے دلوں پر پژمردگی چھا گئی۔ شجاعت اور بہادری مفقود ہو گئی اور ان کے آئمہ سیاست کو چھوڑ کر گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔

علی اور معاویہ

علی ابن ابی طالبؑ

حضرت علی اور امیر معاویہ کی مخاصمت اور عداوت کے اسباب کی تہہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ درحقیقت یہ موروثی عداوت تھی جس کا سلسلہ زمانہ قبل از اسلام سے چلا آرہا تھا۔ حضرت علی قریش کے مشہور قبیلے بنوہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔ اور امیر معاویہ بنوامیہ کے ایک ممتاز فرد اور سردار قبیلہ ابوسفیان بن حرب کے بیٹے تھے۔ یہ دونوں قبائل لمبے عرصے سے قریش کی سیادت کے لئے کوشاں تھے۔ ہر قبیلہ اس شرف کو اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ بنوامیہ کو قوت وطاقت اور مال و دولت کے لحاظ سے بنوہاشم پر برتری حاصل تھی اس لئے ان کی امیدیں بر آئیں اور وہ مکہ میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب

ہو گئے ۔ لیکن اسلام کے ظہور کے بعد جب قبائل عرب جوق در جوق
رسول اللہ صلعم کی اطاعت قبول کرنے لگے تو قدرتی طور پر بنو امیہ کا
اثر و نفوذ کم ہونے لگا ۔ فتح مکہ کے بعد تو ان کی سیاسی برتری بالکل ختم ہو گئی
اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے
اب عربی سیاست میں بنو ہاشم کو وہی پوزیشن حاصل تھی جو اس سے
قبل بنو امیہ کو تھی ۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اور
اہل خاندان تھے ۔ حضرت عمر کی خلافت کے اختتام تک بنو امیہ دوسرے
عرب قبائل کی طرح خاموشی کی زندگی بسر کرتے رہے اور عربی سیاست
میں کوئی اہم حصہ نہ لے سکے لیکن جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو ان کے
اموی ہونے کے باعث بنو امیہ نے بھی دوبارہ سیاست میں حصہ
لینا شروع کیا ۔ اور مملکت کے بیشتر کلیدی عہدوں پر فائز ہو کر ایک
بار پھر سیاسی اقتدار حاصل کر لیا ۔ ساتھ ہی انھوں نے اس اقتدار کو
دیرپا بنانے کی تدبیریں بھی شروع کر دیں ۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب خلافت حضرت علی کے ہاتھ میں
آئی تو امویوں نے معاویہ بن ابی سفیان عامل شام کی سرکردگی میں آپ
کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ اور ان پر حضرت عثمان کے
قتل کی سازش میں شریک ہونے کا الزام لگایا ۔ بعض دیگر عربی قبائل

نے بھی اس معاملے میں ان کی مدد کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ جماعتیں دنیوی
عزّت و وجاہت اور مال و دولت کی خواہش مند تھیں۔ لیکن امیر المومنین
علی ابن ابی طالب ان کی خواہشات کے راستے میں زبردست روک تھے
وہ دُنیوی جاہ و عزّت سے کوسوں دُور تھے۔ اور مال و دولت کو
نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جو شخص خود ان باتوں سے
دُور بھاگتا ہو وہ دوسروں کو انھیں اختیار کرنے کی اجازت کیسے دے سکتا تھا
یہی نہیں بلکہ حضرت علی بہت سخت گیر حاکم تھے اور عدل و انصاف اور
حق و صداقت کا دامن کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے۔ کسی طاقت ور
شخص کو خواہ وہ مال و دولت، اور دُنیوی عزّت و وجاہت کے نشے میں کمزوروں پر
پر ظلم کرے اور ضعیفوں کے حقوق دبا لے۔ حضرت علی کا دوسرے لوگوں
کے لئے ہی یہ حال نہ تھا بلکہ اپنے بیٹوں، قرابت داروں، مددگاروں
اور معتمد علیہ لوگوں کے ساتھ بھی وہ یہی سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور واقعہ
ہے کہ ان کے سگے بھائی عقیل نے ایک مرتبہ بیت المال سے کچھ مال و
اسباب لینا چاہا جس پر اُن کا حق نہ تھا لیکن حضرت علی نے دینے سے
صاف انکار کر دیا۔ وہ ناراض ہو کر معاویہ کے پاس چلے گئے۔ انھوں نے
ان کو کثیر مال و منال سے نوازا۔ اس پر عقیل نے کہا:
"دینی لحاظ سے میرا بھائی میرے لئے سب سے بہتر ہے۔ اور

دُنیوی لحاظ سے معاویہ میرے لیے سب سے بہتر ہیں "

امرِ عادل یہ امر لازمی ہے کہ جو شخص لوگوں سے اس طرح سلوک کرتا ہو، غرض کے بندے، مال و دولت کے پجاری، دُنیوی عزت و وجاہت کے طالب کبھی اس سے خوش نہیں رہ سکتے، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور ایسے تمام لوگ بھاگ کر معاویہ کے دامن میں پناہ لینے لگے۔ معاویہ نے بھی انھیں داد و دہش سے خوب نوازا۔ اور اس کے بدلے ہر ایک سے اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام لینے لگے۔

حضرت علی اپنے عمال کا محاسبہ کرنے میں بھی بہت سخت تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر ناراض ہو گئے اور آپ کی تائید و نصرت سے دست کشی اختیار کر لی۔ ان لوگوں میں سے قابلِ ذکر لوگ مصقلہ بن ہبیرۃ الشیبانی اور آپ کے برادر عم زاد عبداللہ بن عباس ہیں۔ انھوں نے اپنی صاف گوئی سے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو بھی اپنے سے ناراض کر لیا۔ حالانکہ اگر حضرت علی کچھ نرمی برتتے تو یہ دونوں بہ دستور آپ کے حامی و مددگار رہتے۔ انھوں نے ابن عباس اور مغیرہ بن شعبہ کے اس مشورے کو بھی قبول نہ کیا کہ آپ معاویہ، ابن عامر اور حضرت عثمان کے مقرر کردہ دوسرے عمال کو اس وقت تک ان کے عہدوں پر برقرار

رکھیں جب تک وہ آپ کی بیعت نہ کرلیں اور موجودہ شورش ختم ہو کر امن سکون کی فضا پیدا نہ ہو جائے۔ اس کے بعد جسے چاہیں معزول کر دیں۔ حضرت علی نے ان کے مشورے کو رد کرتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا۔

"میں اپنے دین میں کسی قسم کی مداہنت سے کام نہ لوں گا اور نہ دھوکا بازی کا کوئی طریق اختیار کروں گا۔"

اس پر ان کے صلاح کاروں نے کہا:

"اگر آپ ان عمال کو معزول کرنے ہی پر تلے ہوئے ہیں تو کم از کم معاویہ کو ان کے عہدے پر برقرار رہنے دیں کیونکہ وہ زبردست قوت و طاقت کے مالک ہیں۔ اور انھوں نے اہل شام کو اس قدر گرویدہ کیا ہوا ہے کہ وہ ان کے کسی حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کرتے۔ آپ کے پاس انھیں برقرار رکھنے کی سب سے عمدہ وجہ یہ ہے کہ انھیں حضرت عمر نے اس عہدے پر مقرر کیا تھا۔"

لیکن حضرت علی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

"خدا کی قسم میں معاویہ کو دو دن کے لئے بھی ان کے عہدے پر برقرار نہ رکھوں گا۔"

وجہ یہ تھی کہ حق و صداقت کے بارے میں سکوت اختیار کرنا ان کا شیوہ نہ تھا۔ خواہ ایسا کرنے سے انھیں سخت نقصان ہی کیوں نہ پہنچتا

ہو اور ان کے اقتدار کو کتنی ہی ٹھیس کیوں نہ لگتی ہو۔ اور عملاً ایسا ہی ہوا۔

جنگِ جمل میں جب انھیں فتح حاصل ہوئی تو انھوں نے اپنی فوج کو حکم دے دیا تھا کہ کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور کسی شخص کا مال نہ چھینا جائے۔ چنانچہ ان کی فوج نے ان کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اور فریقِ مخالف کی کسی قیمتی سے قیمتی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگایا سوائے ہتھیاروں اور سواری کے جانوروں کے جنھیں ضبط کرنے کا حضرت علی نے حکم دے دیا تھا۔ جب ان کے بعض ساتھیوں نے اس حکم پر اعتراض کیا اور کہا:

"امیر المومنین! آپ نے ہمیں فریقِ مخالف سے لڑنے کی تو اجازت دے دی لیکن انھیں قید کرنے اور ان کے اموال کو اپنے قبضے میں لانے کی اجازت نہ دی۔ یہ کیوں؟"

حضرت علی نے جواب دیا:

"موحدین کو قید کرنا اور ان کے ہتھیاروں اور سواریوں کے علاوہ ان کے دیگر مال و اسباب پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس بات کا تمھیں پتا نہیں اُسے چھوڑ دو اور جو تم کو حکم دیا جائے اس کی تعمیل کرو۔"

جنگ صفین میں اہلِ شام کے ساتھ بھی حضرت علی نے اسی طرح کا سلوک کیا۔ جب تک اہلِ شام دریائے فرات کے پانی پر قابض رہے انھوں نے حضرت علی کے لشکر کو پانی لینے کی اجازت نہ دی۔ لیکن جب حضرت علی کے لشکر نے دریا پر قبضہ کر لیا تو آپ نے انتہائی رحم دلی سے کام لیتے ہوئے معاویہ کے لشکر کو پانی لینے کی اجازت دے دی۔ حالانکہ اگر آپ ان پر پانی بند کر دیتے تو یقیناً سارا لشکر پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔

اسی طرح آپ نے اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کو معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو بُرا بھلا کہنے سے منع کر دیا تھا حالانکہ معاویہ کو ایسا کرنے میں کوئی باک نہ تھا۔ ایک مرتبہ انھیں معلوم ہوا کہ حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق اپنے خطبوں میں معاویہ کو بُرا بھلا کہتے اور اہلِ شام پر لعن طعن کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے قاصد کے ہاتھ انھیں ایسا کرنے سے منع کرا بھیجا۔ وہ دونوں آپ کے پاس آئے اور عرض کیا:

"امیر المومنین کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟"

حضرت علی نے جواب دیا:

"بے شک ہم حق پر اور وہ باطل پر ہیں لیکن مجھے یہ بات سخت

ناپسند ہے کہ تمھارا شمار گالیاں دینے والوں اور لعنت بھیجنے والوں میں ہو۔ انھیں بُرا بھلا کہنے کی بجائے یہ دعا مانگا کرو: "اے اللہ! ہمیں اور انھیں ایک دوسرے کا خون بہانے سے روک۔ ہمارے درمیان صلح کرادے۔ انھیں ہدایت کا راستہ دکھا، تاکہ ان پر جہالت اور کجی واضح ہوجائے۔ اور وہ ان باتوں سے باز آجائیں"

اس کے ساتھ ہی آپ اپنے اور اپنے عمال کا محاسبہ کرنے میں بہت سخت تھے۔ جہاں تک اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا تعلق ہے وہ تو ظاہر و باہر ہے اور اس کی وضاحت و تفصیل بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ جہاں تک عمال کے محاسبہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں مصقلہ بن ہبیرۃ الشیبانی اور یزید بن حجمۃ التیمی کی مثالیں کافی ہیں۔ یزید بن حجمہ کو آپ نے رے کا حاکم بنایا تھا۔ اس نے وہاں کے خراج میں سے تیس ہزار درہم غبن کر لیے۔ جب حضرت علی کو معلوم ہوا تو آپ نے اسے اپنے حضور طلب کیا اور فرمایا: "وہ مال کہاں ہے جو تم نے غبن کیا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ میں نے کوئی مال غبن نہیں کیا۔ اس پر آپ نے اسے دُرّے مارے اور قید کر دیا۔ وہ موقع پاکر شام بھاگ گیا اور معاویہ سے جا کر مل گیا۔ امیر معاویہ نے اسے بہت کچھ مال و دولت سے نوازا۔ حضرت علی کے بعد جب عراق

بھی حضرت معاویہ کے زیر نگین آگیا تو انھوں نے یزید کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔

حضرت علی ابن ابی طالب کے مختصر سے تذکرہ کے بعد اب ہم ان کے حریف امیر معاویہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو عادات و خصائل میں حضرت علی سے بالکل مختلف تھے

معاویہ

بنو ہاشم کو نبوت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اب عرب کے کسی اور قبیلے کی مجال نہ تھی کہ اس کے ہم پلہ کوئی مرتبہ حاصل کر سکتا۔ مکہ کے سردار اور سربر آوردہ اشخاص اپنی عزت و وجاہت قائم رکھنے کی خاطر دین اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن ان کی شدید ترین مخالفت بھی اسلام کو پھیلنے اور بڑھنے سے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ بالآخر مجبور ہو کر خود ان صنادید عرب کو جو اس سے قبل اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے اسلام کی آغوش میں آنا پڑا۔ تاہم اب بھی ان کا مطمح نظر دنیوی جاہ و تمکنت حاصل کرنا تھا۔

یزید بن ابوسفیان نے شام کی جنگوں میں جو کارہائے نمایاں

سر انجام دیئے تھے ان سے متاثر ہو کر خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب نے انھیں وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد یہ منصب ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کے ہاتھ آیا۔ انھوں نے ہوشیاری اور دُور رسی کو کام میں لاتے ہوئے شام میں اپنے اقتدار کو مضبوط تر کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان کے عہد میں شام کا تعلق دار الخلافہ سے برائے نام رہ گیا۔ معاویہ کہنے کو تو حضرت عثمان کے ماتحت تھے لیکن دراصل وہ وہاں کے خود مختار حاکم تھے۔ وہ وہاں من مانی کرتے تھے اور کوئی شخص ان پر ہاتھ ڈالنے والا نہ تھا۔

بنو امیہ نے جب دیکھا کہ ان کے قبیلے کا ایک ممتاز فرد شام جیسے اہم صوبہ کا مطلق العنان فرمان روا بنا ہوا ہے تو انھوں نے جوق در جوق ادھر کا رُخ کرنا شروع کیا۔ اس قبیلہ کی بھاری تعداد حجاز سے نکل کر شام پہنچ گئی۔ اور اسے اپنا مستقل وطن قرار دے لیا۔ ظاہر ہے کہ یہ امیر معاویہ کی حکومت کے استحکام میں زبردست ممد و معاون ثابت ہوا۔

امیر معاویہ نے بنی امیہ ہی کو اپنے گرد جمع کرنے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ شام میں آباد ہونے والے ایک اور با اثر عرب قبیلے بنو کلب سے رشتہ

رشتۂ ازدواج قائم کر کے اس قبیلے کو بھی پوری طرح اپنا ہم نوا بنا لیا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب انھیں معزول کرنے اور ان سے اقتدار چھیننے کی کوششیں کی جائیں گی چونکہ وہ بے حد دور رس اور عقل مند انسان تھے اس لئے انھوں نے آنے والے وقت کا پہلے ہی سے اندازہ لگا کر پیش بندیاں شروع کر دیں اور مختلف تدابیر اختیار کر کے اپنے اقتدار کو خوب مضبوط اور اپنی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کر لیا۔

حضرت علی اور معاویہ میں اختلاف

جب حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور لوگوں نے حضرت علی کی بیعت خلافت کر لی تو حضرت معاویہ کو احساس ہو گیا کہ وہ جس وقت سے ڈرتے تھے وہ آ گیا ہے۔ انھیں خوب علم تھا کہ انھیں علی کبھی شام کی حکومت پر برقرار نہیں رہنے دیں گے بلکہ اپنے کسی معتمد علیہ شخص کو وہاں کا حاکم بنا کر ان کا اقتدار ختم کر دیں گے۔ چنانچہ انھوں نے لوگوں کو حضرت علی کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسانا شروع کیا اور ساتھ ہی حضرت عثمان کے انتقام کا مطالبہ بھی بلند کر دیا۔ اس طرح وہ حضرت علی کی قوت و طاقت کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں وہ اس شرط پر حضرت علی کی بیعت کرنے پر آمادہ تھے

شام کا صوبہ بدستور انہی کے زیر نگیں رہے۔ لیکن جب حضرت علی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور قسم کھالی کہ وہ اپنے عہدِ حکومت میں نہ معاویہ کو کوئی عہدہ دیں گے اور نہ کسی لشکر کا سپہ سالار بنائیں گے تو معاویہ نے عمرو بن العاص کو ساتھ ملا کر ان کے خلاف بغاوت کر دی اور انتقام عثمان کا مطالبہ کرنے کے ساتھ انھوں نے حضرت علی کو بھی قتلِ عثمان کی سازش میں متہم کرنا شروع کر دیا۔ اپنے مطالبے کو تقویت دینے کے لئے انھوں نے حضرت عثمان کی خون آلودہ قمیص اور ان کی بیوی حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کو دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر لٹکا دیا۔ لوگ آتے اور انھیں دیکھ کر دہاڑیں مار مار کر روتے۔ اس طرح امیر معاویہ نے نہ صرف شام کے لوگوں کو اپنا حامی و مددگار بنا لیا، بلکہ داد و دہش کے ذریعے دیگر عرب قبائل کے دلوں کو بھی اپنی مٹھی میں لے لیا اور وہ حضرت علی کا ساتھ چھوڑ کر ان کے ساتھ آ آ کر ملنے لگے۔

امیر معاویہ جس طرح بے دریغ مال و دولت لٹا کر لوگوں کے ضمیر خریدتے تھے اس کا اندازہ طبری کی بیان کردہ مندرجہ ذیل روایت سے ہو سکتا ہے۔ وھو ہٰذا:

ایک مرتبہ امیر معاویہ نے بنو تمیم کے سردار ابو متازل کو ستر ہزار درہم دیئے۔ لیکن بعض ایسے قبائل کو جو رتبہ میں تمیم سے بہت کم تھے ایک ایک

لاکھ درہم دیئے۔ ابو منازل نے یہ دیکھ کر کہا:

"آپ نے مجھے تمیم میں رسوا کر دیا۔ کیا میرا حسب ونسب صحیح نہیں ہے کیا میں سن رسیدہ شخص نہیں ہوں؟ کیا میرا قبیلہ میرے احکام پر عمل نہیں کرتا؟

امیر معاویہ نے جواب دیا "کیوں نہیں، جو کچھ تم کہتے ہو سچ ہے"۔

ابو منازل نے کہا:

"پھر آپ نے مجھے دوسرے لوگوں کی نسبت کم رقم کیوں دی؟

حضرت معاویہ نے جواب دیا "میں نے مال و دولت دے کر دوسرے لوگوں سے ان کا دین خرید لیا ہے، لیکن تمھیں تمھارے دین کے حوالے کر دیا ہے، کیونکہ تم حضرت عثمان کے حامی تھے"۔

ابو منازل نے کہا:

"اگر آپ کا یہی خیال ہے تو مجھ سے بھی میرا دین خرید لیں"۔

چنانچہ حضرت معاویہ نے اسے بھی ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیر معاویہ نے قصاص عثمان کا جو مطالبہ کیا تھا وہ صدق دلی پر مبنی تھا اور وہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان کے قاتلوں سے شریعت کے احکام کے مطابق سلوک کیا جائے یا انھوں نے اس مطالبے کو اپنے مقاصد کو بروئے کار

لانے اور اقتدار حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بنایا ہوا تھا۔ اس سوال کا جواب ہمیں اس گفتگو سے مل جاتا ہے جو اُن کے اور حضرت عثمان کی لڑکی عائشہ کے درمیان ہوئی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب امیر معاویہ مدینہ گئے تو حضرت عثمان کے گھر بھی گئے۔ انھیں دیکھ کر حضرت عثمان کی لڑکی عائشہ "واابتاہ" (ہائے ابا جان) کہہ کر رونے لگی حضرت معاویہ اس کا مطلب سمجھ گئے اور اسے تشفی دے کر کہنے لگے:

"اے میری بھتیجی! لوگوں نے ہمیں اور ہم نے لوگوں کو امان دی۔ وہ بظاہر ہم سے نرمی کا سلوک کرتے ہیں لیکن ان کے دل غیظ وغضب سے بھرپور ہیں۔ بظاہر اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں لیکن دلوں میں کینہ بھرا ہوا ہے۔ ہر انسان مسلح ہو کر اپنے مددگاروں کی تلاش میں ہے۔ اگر ہم نے ان سے بدعہدی کی تو وہ بھی ہمارے مقابلے پر اتر آئیں گے۔ پھر نہ معلوم نتیجہ کیا ہو۔ ہم غالب ہوں اور وہ مغلوب۔ یا وہ غالب ہوں اور ہم مغلوب۔ تمھارے لئے امیر المومنین (معاویہ) کی بھتیجی ہونا اس سے بہتر ہے کہ تم ایسی عورت کہلاؤ جو مسلمانوں کی عزتوں اور جانوں کے درپے ہو"۔

امیر معاویہ کی سیاست کی بہترین تصویر اُن کے اس قول میں نظر آتی ہے:

"میں کبھی اپنی تلوار اس جگہ نہیں اٹھاتا جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہو اور میں کبھی اس جگہ اپنا کوڑا نہیں اٹھاتا جہاں میری زبان کام دیتی ہو اگر میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان ایک بال کا بھی تعلق ہو تو میں اسے کبھی قطع نہ ہونے دوں۔"

لوگوں نے پوچھا: "وہ کیسے؟"

انھوں نے جواب دیا: "جب وہ اسے کھینچیں گے میں اُسے ڈھیلا چھوڑ دوں گا اور جب وہ اسے ڈھیلا چھوڑ دیں گے تو میں اسے کھینچ لوں گا۔

حضرت معاویہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کس قدر بُردباری اور سیاسی مہارت پائی جاتی تھی مشکلات کے وقت وہ اپنے اعصاب پر کس طرح قابو پا لیتے تھے اور عقل و خرد اور سوجھ بوجھ کا کس قدر برمحل استعمال کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ جب ہم امیر معاویہ کی سیاسی زندگی پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں شعبی کے اس قول پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں رہتا:

"معاویہ اصیل اونٹ کی مانند ہیں کہ جب تک اسے کچھ نہ کہا جائے وہ چلتا رہتا ہے لیکن جب مارا جائے تو ٹھہر جاتا ہے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیتا ہے۔"

امیر معاویہ کی سیاست اور عقل و خرد

امیر معاویہ جیسا سیاست داں عرب دنیا پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ وہ اپنی سیاسی بصیرت کو کام میں لا کر مخالفین کی کمزوریوں کو فوراً بھانپ لیتے تھے۔ اور اپنے خداداد ذہن کو کام میں لا کر ایسی تدابیر اختیار کرتے تھے جو ایک طرف ان کے دشمنوں کو سخت مشکلات میں گرفتار کر دیتی تھیں اور دوسری طرف ان کے لئے کامیابی و کامرانی کا راستہ کھول دیتی تھیں۔

وہ حد درجہ حلیم تھے۔ کتب تواریخ میں ان کی بردباری کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ اسی بردباری اور چشم پوشی کو کام میں لا کر انھوں نے اپنی سلطنت کو خوب مستحکم کر لیا اور ہزاروں آدمیوں کو جو اس سے قبل ان کے دشمن تھے اپنا حامی و مددگار بنا لیا۔

ان کی سیاسی مہارت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد جب لوگوں نے ان کے لڑکے حضرت حسنؑ کی بیعت کر لی اور انھیں ساتھ لے کر معاویہ سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے تو معاویہ نے حضرت حسنؑ کو ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا:

"خلافت یقیناً آپ ہی کا حق ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ آپ اسے بہ حسن و خوبی چلا لیں گے تو میں یقیناً آپ کی بیعت کر لیتا لیکن چونکہ مجھے

معلوم ہے کہ آپ حد درجہ نرم دل انسان ہیں اور حکومت کا کاروبار چلانا آپ کے بس کی بات نہیں اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے حق میں معزول ہو جائیں۔ اس کے بدلے آپ مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے بخوشی پورا کر دوں گا۔

اس خط کے ساتھ ہی انھوں نے ایک سفید کاغذ پر اپنی مہر لگا کر بھیجا۔ حضرت حسن نے اس پر اپنی شرائط لکھ دیں جو امیر معاویہ نے فوراً قبول کر لیں۔

امیر معاویہ کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں عرب کے عقلمند ترین انسانوں کو اپنا حامی بنا کر انھیں مملکت کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح ان کی سلطنت کو خوب استحکام حاصل ہو رہا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابیہ کا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ ملکی معاملات میں یہ لوگ اپنے سیاسی قائد کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ کبھی داد و دہش کے ذریعے لوگوں کو اپنا حامی بناتے تھے، کبھی نرمی اور محبّت کا سلوک کر کے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرتے تھے۔ اگر نرمی سے کام نہ چلتا تھا تو سختی اختیار کر کے مخالفین کے کس بل نکال دیتے تھے۔ کبھی مختلف حیلے اختیار کر کے فریقِ مخالف کی تدابیر کو ناکام بنا دیتے تھے۔ غرضیکہ کام نکالنے کے

لیے جو طریقہ بھی انھیں اختیار کرنا پڑتا اس سے دریغ نہ کرتے تھے زیاد بن ابیہ اپنی سختی اور جبر و استبداد میں مشہور ہے۔ لیکن ایک مرتبہ اسے معلوم ہوا کہ ابوالخیر نامی ایک شخص جو شجاعت اور بہادری میں ضرب المثل تھا، خوارج کی طرف میلان رکھتا ہے اس نے اسے بلا کر جند نیشاپور اور اس کے نواحی علاقے کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور چار ہزار درہم ماہوار تنخواہ مقرر کر دی۔ اس کے بعد ابوالخیر کہا کرتا تھا:

"میں نے اطاعت اور جماعت سے وابستگی جیسی اچھی چیز اور کوئی نہیں دیکھی ہے"

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بھی ہے۔ وہ منبر پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ حجر بن عدی نے انھیں کنکریاں ماریں، وہ اسی وقت منبر سے اتر کر قصر الامارۃ میں گئے اور حجر کو پانچ ہزار درہم بھجوا دیئے۔ لوگوں نے پوچھا:

"آپ نے حجر کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ حالانکہ وہ آپ کے شدید مخالف ہیں"

مغیرہ نے جواب دیا:

"میں نے حجر کے ساتھ یہ سلوک کر کے انھیں قتل کر دیا ہے اب وہ میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکیں گے"

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب تک مغیرہ کوفہ کے حاکم رہے حجر نے ان کے خلاف کوئی بات نہ کی، لیکن ان کی وفات کے بعد جب زیاد وہاں کا حاکم ہوا اور نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں آیا تو حجر نے اس پر کنکر برسانے چاہے زیاد نے انھیں گرفتار کر کے امیر معاویہ کے پاس بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ یہ آپ کے خلاف کوفہ میں بغاوت پھیلا رہے تھے۔ معاویہ نے انھیں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ اپنے بعض مددگاروں اور ساتھیوں کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ بعد میں معاویہ اپنی اس غلطی پر بہت پشیمان ہوئے۔

امیر معاویہ کہا کرتے تھے۔

"علی بن ابی طالب چار باتوں کی وجہ سے مجھ سے مات کھا گئے۔ وہ اپنے بھید کو چھپاتے نہیں، لیکن میں اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ وہ اس وقت تک مصیبت سے بچاؤ کا کوئی سامان نہیں کرتے جب تک وہ ان کے سر پر اچانک نازل نہیں ہو جاتی۔ لیکن میں پہلے سے اپنے بچاؤ کا سامان کر لیتا ہوں۔ ان کا لشکر بد طینت آدمیوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ ان کے کسی حکم کی دل سے تعمیل نہیں کرتے۔ لیکن میرے لشکر کے لوگ میرے کسی حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ انھیں قریش کی تائید حاصل نہیں لیکن میرے ساتھ قریش کے اکثر لوگ ہیں۔"

ان تمام امور سے واضح ہوتا ہے کہ امیر معاویہ اپنی سیاسی اغراض کے حصول اور مخالف کے مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ استعمال کرتے تھے۔ خواہ وہ طریقہ مروجہ اخلاقی اصولوں اور اجتماعی نظم و ضبط کے کسی قدر منافی کیوں نہ ہوتا تھا۔ حضرت علی بھی معاویہ کی عقل و خرد اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ چنانچہ انھوں نے ایک مرتبہ زیاد بن ابیہ کو ایک علاقہ کا حاکم مقرر کرتے ہوئے لکھا تھا:

"میں تمھیں فلاں جگہ کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ یاد رکھو، معاویہ کی چالوں سے ہوشیار رہنا۔ ان میں اتنی قابلیت ہے کہ لوگ ہر چہار طرف سے ان کی جانب کھنچے چلے آتے ہیں۔"

اس طرح امیر معاویہ نے اپنی سیاسی چالوں اور عقل و خرد کو کام میں لا کر اپنی حکومت مستحکم کر لی۔ حضرت علی کے بعد وہ مملکتِ اسلامیہ کے بلا شرکتِ غیرے حاکم بن گئے۔ اس خیال سے کہ ان کے بعد بھی حکومت انہی کے خاندان میں باقی رہے انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد مقرر کر دیا اور لوگوں سے اس کی بیعت لے لی۔ ان کا خیال تھا کہ اب ان کی سلطنت اس قدر مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی ہے کہ ان کے بعد کوئی شخص یزید کی مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط نکلا، کیونکہ یزید میں نہ باپ کی سی عقل مندی تھی، نہ لیاقت نہ حلم

اور نہ سخاوت جن سے کام لے کر وہ حکومت کا کاروبار بہ حسن و خوبی سرانجام دے سکتا۔ مزید برآں اُسے عربوں کی مکمل تائید بھی حاصل نہ تھی اور وہ اس کی حکومت کو اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے۔

جب امیر معاویہ کا آخری وقت قریب پہنچا تو انھوں نے یزید کو بلایا اور اُسے مندرجہ ذیل وصیت کی جو ان کی سیاست کا بہترین شاہکار ہے۔ انھوں نے کہا:

"جانِ پدر! اہلِ حجاز کا اچھی طرح خیال رکھنا۔ ان میں سے جو شخص تمھارے پاس آئے اس سے عزت و احترام کا سلوک کرنا اور جو شخص تمھارے پاس نہ آسکے اس کے حقوق کی نگہداشت رکھنا۔ اہلِ عراق سے بھی بہت ملائمت اور نرمی کا سلوک کرنا۔ اگر وہ روزانہ کسی نئے عامل کا مطالبہ کریں تو اس کے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرنا کیونکہ کسی عامل کا معزول کر دینا اس سے آسان ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمھارے مقابلے کے لیے نکل آئیں۔ اہلِ شام سے بھی محبت و رافت کا سلوک کرنا کیونکہ وہ تمھارے ہم راز اور مددگار ہیں۔ اگر کوئی شخص تمھارے مقابلے پر آئے تو تم ان سے مدد لینا۔ لیکن جب تم فتح حاصل کر چکو تو انھیں ان کے علاقوں میں واپس بھیج دینا، کیونکہ دوسرے علاقوں میں زیادہ عرصہ مقیم رہنے کی وجہ سے ان کے اخلاق و عادات میں تغیر واقع ہو جائے گا۔ حکومتِ قریش

گے صرف تین شخص ہی تمھارے حریف ہو سکتے ہیں۔ حسین بن علی۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ بن زبیر۔ عبدالرحمن بن ابوبکر۔ ابن عمر کو تو عبادت نے تھکا دیا ہے، جب دوسرے لوگ تمھاری بیعت کرلیں گے تو وہ بھی تمھاری اطاعت قبول کرلیں گے۔ عبدالرحمن بن ابوبکر کی توجہ عیش و آرام کی طرف مبذول ہے اس لئے ان سے بھی کوئی خطرہ نہیں۔ حسین بن علی کو اہل عراق ضرور تمھارے مقابلے میں لا کر رہیں گے۔ اگر وہ تمھارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو ان سے درگزر سے کام لینا۔ کیونکہ ہمارے قریبی عزیز ہونے کے علاوہ ہم پر ان کا بہت بڑا حق ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔ البتہ جو شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی طرح چالیں چلے گا وہ عبداللہ بن زبیر ہے۔ اگر تم اس پر قابو پاؤ تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ لیکن قوم کو عام خوں ریزی سے بچانا"۔

بعض روایات میں ہے کہ یزید اپنے والد کے آخری وقت ان کے پاس نہ تھا۔ اور امیر معاویہ نے ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کو بلا کر مندرجہ بالا ہدایات لکھوائی تھیں اور حکم دیا تھا کہ جب یزید آئے تو اُسے یہ خط دے دیا جائے۔

امیر معاویہ نے یکم رجب ۶۰ھ کو پچھتر برس کی عمر میں وفات پائی۔

ان کا زمانۂ حکومت انیس سال تین ماہ ستائیس دن بنتا ہے۔

امیر المومنین کی شہادت

کیا خوارج شیعہ تھے؟

جنگ صفین میں جب امیر معاویہ کو اپنی شکست کا خطرہ سامنے نظر آنے لگا تو انھوں نے نیزوں پر مصحف اٹھوا کر حضرت علی کے لشکر کے سامنے کئے۔ اور لوگوں کو کتاب اللہ کا فیصلہ قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ دیکھ کر آپ کے لشکر کا معتدبہ حصہ امیر معاویہ کی پیش کش کو قبول کرنے پر رضامند ہو گیا اور حضرت علی سے جنگ بند کرنے کا مطالبہ کرنے لگا۔ حضرت علی نے انھیں بہت سمجھایا کہ یہ معاویہ کی ایک جنگی چال ہے۔ پر ان لوگوں نے ایک نہ سنی اور حضرت علی کو جنگ بند کرنے اور تحکیم قبول کرنے پر مجبور کر دیا لیکن جونہی ثالثوں کے تقرر کا اعلان ہوا یہ لوگ بگڑ بیٹھے اور کہنے لگے کہ دینی امور میں ثالث مقرر کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ اسی بات پر یہ لوگ حضرت علی سے الگ

الگ ہو گئے۔ اور خارجی کہلائے۔ ان لوگوں نے محض علیحدگی پر ہی اکتفا نہ کیا
بلکہ جنگی تیاریاں کر کے حضرت علی کے مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔ نہروان کے
مقام پر فریقین کی جنگ ہوئی جس میں حضرت علی کو زبردست کامیابی
اور خوارج کو عبرت ناک شکست نصیب ہوئی۔ اور اس کے بعد پھر انھیں
کبھی حضرت علی کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ تاہم اس کا یہ مطلب
نہیں کہ اس کی قوت و طاقت بھی اس جنگ کے نتیجے میں ختم ہو گئی تھی۔
یہ جنگ تو ان لامتناہی جنگوں کے سلسلے کی پہلی کڑی تھی جو دولت امویہ
اور دولت عباسیہ کے زمانہ میں حکومت اور خوارج کے درمیان پیش آئیں
اور جن میں اموال اور نفوس کا بے پناہ ضیاع ہوا۔

جنگ نہروان بڑی ہولناک جنگ تھی۔ اس میں دو ہزار سے زیادہ
خوارج کام آئے۔ لیکن یہی جنگ خوارج میں ایک نیا جوش و خروش
پیدا کرنے کا باعث بنی۔ مقتولین نہروان کی قبریں ان کے اعزا کی زیارت
گاہیں بن گئیں۔ وہ وہاں آتے، اپنے آنسوؤں سے زمین کو تر کرتے
اور عہد کرتے کہ اپنے بھائیوں کا انتقام لے کر رہیں گے۔

اگرچہ خوارج کے سیاسی نظریات میں بے حد اختلاف پایا جاتا ہے
لیکن اہل تشیع اور اہل سنّت نے خلافت کو جس طرح موروثی بادشاہت
میں تبدیل کر لیا تھا اس کی مخالفت کرنے میں وہ بالکل متحد تھے۔ اس لحاظ

ہے اسلام میں وہ پہلی جماعت تھی جس نے جمہوری طرزِ حکومت کے قیام کے مسئلے کو اپنے سیاسی پروگرام میں باقاعدہ طور پر شامل کیا۔

بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ خوارج اصل کے لحاظ سے شیعہ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس نے حضرت علی کے ایام خلافت میں اُن کی مدد کی اور ان کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے میدانِ جنگ میں نکلا وہ شیعہ تھا۔ اسی لئے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی کے لشکر کو اوّلین شیعی جماعت کہنا چاہیئے۔ لیکن لامنس اور ولہاوزن کو اس بات سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اہل عراق نے اس لئے علی کی تائید نہیں کی کہ وہ رسول اللہ صلعم کے برادر عم زاد اور ان کے داماد تھے، بلکہ اس لئے کہ انھوں نے دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے علی کے بعد ان کے بڑے بیٹے حسن کی بھی بیعت کر لی تھی۔ حسن کی وفات کے بعد انھوں نے ان کے چھوٹے بھائی حضرت امام حسین کو خطوط لکھ کر عراق آنے کی دعوت دی۔ اور وہاں آنے کی صورت میں انھیں اپنی تائید کا یقین دلایا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ موروثی حکومت کے دلدادہ تھے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد میں جب ابنِ اشعث نے حجاج کے خلاف بغاوت کی تو انھوں نے اس کی بیعت کر لی۔ اسی طرح یزید بن عبد الملک کے زمانہ میں انھوں نے

اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر یزید بن مہلب کی بیعت کر لی تھی۔ اور امویوں کے مقابلے میں اسے ہر ممکن تائید کا یقین دلایا تھا۔ ان مثالوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ عراق محض اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر کسی فریق کا ساتھ دیتے تھے۔ انھیں خاص طور پر اہلِ بیت سے کوئی تعلق نہ تھا در اصل انھیں امویوں سے کد تھی۔ اور جو شخص بھی ان کے مقابلے پر کھڑا ہوتا تھا، خواہ شیعہ ہو خواہ غیر شیعہ وہ اس کی تائید میں کھڑے ہو جاتے تھے"۔

اہلِ عراق کی ایک جماعت کے متعلق تو یہ رائے صحیح ہو سکتی ہے لیکن اس کا اطلاق کُل اہلِ عراق پر کرنا تاریخی واقعات کی رُو سے درست نہیں ہے۔ ابنِ اشعث اور یزید بن مہلب جیسے غیر شیعہ سرداروں کی حمایت سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ عراق امویوں کی سلطنت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار کر پھینک دینا چاہتے تھے۔ اور اس غرض کے لئے ہر اس شخص کی تائید پر آمادہ ہو جاتے تھے جسے وہ اس کام کا اہل سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے بیشتر حالات میں اہل بیت کی مدد کی ہے حضرت علی کی تائید انھوں نے اس وقت کی جب کہ آپ ابھی مدینہ ہی میں تشریف فرما تھے اور دار الخلافہ کوفہ منتقل نہ کیا تھا۔ جنگ جمل میں وہ آپ کے دوش بہ دوش لڑے، حالانکہ انھیں معلوم بھی نہ تھا کہ امیر المومنین نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنانے کا ارادہ کر لیا ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ خوارج اصل کے لحاظ سے شیعہ تھے تو تاریخی روایات اور واقعات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع میں امیر المومنین کے حامی اور مددگار تھے۔ لیکن واقعہ تحکیم کے بعد وہ آپ کے لشکر کو چھوڑ کر آپ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور اپنی الگ جماعت بنالی۔ پس اگر ان واقعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم یہ خیال کریں کہ حضرت علی کی فوج اوّلین شیعہ جماعت تھی تو یقیناً خوارج بھی شیعہ ہی تھے۔

خوارج کے مابین نظریاتی اختلاف

خوارج نے اپنے عقائد کی بنیاد بعض ایسے جدید نظریات پر رکھی تھی جن کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ دیگر مسلمانوں سے اُن کا اختلاف زیادہ تر مسئلہ خلافت کے بارے میں تھا۔ وہ بنو امیہ اور شیعوں کی طرح خلافت کو کسی خاندان یا گروہ سے مخصوص نہ سمجھتے تھے بلکہ اسے جمہور مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جمہور کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے میں سے جس شخص کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، خواہ ہاشمی ہو یا اموی۔ عربی ہو یا عجمی!

دیگر مسلمانوں سے تو ان کا اختلاف تھا ہی آپس میں بھی وہ متحد نہ تھے نافع بن ازرق ان کا ایک مشہور سردار تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ خوارج میں سے جو لوگ اپنے دشمنوں سے جنگ نہیں کرتے اور اپنے گھروں میں آرام

سے بیٹھے رہتے ہیں وہ کافر ہیں اور ان سے جنگ کرنا، انھیں قتل کرنا، قید کرنا اور ان کے اموال چھیننا سب جائز ہے۔ خوارج کے ایک اور سردار نجدہ کا کہنا تھا کہ اگرچہ جنگ سے کنارہ کشی کرنے کی بجائے میدانِ وغا میں مصروفِ عمل رہنا ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ تاہم اس کے باوجود جو لوگ عافیت کو ترجیح دیتے ہیں ان سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہیئے۔ البتہ خوارج کے اعتدال پسند گروہ "صفریہ" کا عقیدہ یہ تھا کہ جنگ کی بجائے عافیت کوشی بہتر ہے اس لئے جنگ وقتال سے علیحدہ رہنے والوں پر کفر کا حکم لگانا کسی طرح بھی درست نہیں۔

اسی طرح "تقیہ" کے بارے میں بھی اختلاف تھا۔ تقیہ کا مطلب ہے اپنے عقیدہ کو حاکم کے خوف سے چھپانا اور قائم شدہ نظام حکومت کی بہ ظاہر تائید کرنا۔ لیکن در پردہ اس کی مخالفت کرنا ازارقہ (تبعین نافع بن ازرق) کہتے تھے کہ اگر کوئی خارجی کسی ایسے شہر میں سکونت پذیر ہو جہاں اپنے عقائد کا کھلم کھلا اظہار کر کے وہ امن سے نہ رہ سکتا ہو جب بھی قول وفعل کسی ذریعے سے بھی اس کے لئے تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن نجدہ کے پیروکار اس کے بالکل برعکس کہتے تھے۔ ان کے نزدیک تقیہ کرنا جائز تھا صفریہ کے نزدیک

قولی تقیہ جائز تھا، فعلی تقیہ جائز نہ تھا۔ بعض اباضیہ کے نزدیک یہ کفر تھا۔

غیر خوارج کے ساتھ تعلقات کے بارے میں بھی خوارج کے مابین اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے کہ اگر امام غیر خارجی ہو تو اس کی رعایا بھی اس کی مانند کافر ہوتی ہے، خواہ پوشیدہ طور پر وہ خارجی ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے نزدیک ان لوگوں سے لڑنا، انھیں قتل کرنا ان کا مال چھیننا اور انھیں غلام بنانا بھی جائز تھا۔ لیکن بعض اباضیہ کہتے تھے کہ وہ اسلامی سرزمین جو خارجی حکومت کے ماتحت نہ ہو، بدستور دارالاسلام رہتی ہے اور وہاں کے مسلمانوں سے لڑنا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ وہ لوگ انھیں زبردستی اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور کریں۔

خوارج نے واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علی کی معیت ترک کی۔ ان کا کہنا تھا کہ کتاب اللہ کے احکام کے بارے میں ثالث مقرر نہیں کیے جا سکتے۔ ثالث اس معاملے میں مقرر کیے جاتے ہیں جس کے بارے میں فریقین شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں لیکن یہاں معاویہ سراسر ناحق پر تھے۔ خوارج نے صرف علیحدگی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ فتنہ و فساد اور قتل و غارت پر کمر باندھ لی۔ اس پر حضرت علی

کو مجبوراً ان کی طرف توجہ کرنا پڑی اور نہروان کی خوف ناک جنگ پیش آئی۔ اگرچہ اس جنگ میں حضرت علی کو شاندار فتح نصیب ہوئی لیکن اس کا ایک خراب نتیجہ یہ نکلا کہ امیر معاویہ کے مقابلے میں ان کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور وہ ان کے مقابلے کے لئے کوئی مضبوط لشکر تیار نہ کر سکے۔ آئے دن کی لڑائیوں سے ان کا لشکر بھی تنگ آ گیا۔ اور وہ لڑنے کی بجائے عافیت کوشی کو ترجیح دینے لگا۔ چنانچہ بہت سے لوگ لشکر کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو چل دئیے۔ ایک طرف حضرت علی ان مشکلات میں مبتلا تھے دوسری طرف بعض خوارج نہروان میں اپنے مقتول بھائیوں کا انتقام لینے اور حضرت علی پر دھوکے سے اچانک حملہ کرنے کا خفیہ منصوبہ باندھ رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ نہروان نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی اور اب ان میں اتنی سکت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ حضرت علی سے لڑنے کے لئے کوئی نئی فوج تیار کر سکتے۔ اور دوبارہ میدانِ جنگ میں آ کر آپ سے طاقت آزمائی کر سکتے۔ لہٰذا بعض خوارج نے یہ سوچا کہ کھلم کھلا مقابلے پر آنے کی بجائے چپکے سے حضرت علی پر حملہ کر کے ختم کر دینا چاہیئے۔

سازش بعض مؤرخین نے اس سازش کو درست تسلیم کرنے

سے انکار کیا ہے جو خوارج کی ایک جماعت نے عبدالرحمن بن ملجم کی سرکردگی میں حضرت علی، امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کو قتل کرنے کے لئے تیار کی تھی۔ لیکن چونکہ بیشتر مؤرخین مثلاً مسعودی، مبرد، یعقوبی، دینوری، ابن اثیر اور طبری وغیرہم نے اس واقعہ سازش کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اس لیے ہمارے لیے اس سے انکار کرنا ممکن نہیں۔

ہم یہ بات تو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ یہ سازش وسیع پیمانے پر تیار کی گئی تھی اور اس کی تیاری میں خوارج کے بڑے بڑے لیڈر شریک تھے۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خوارج کی ایک چھوٹی سی جماعت جو پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی اس سازش میں ضرور ملوث تھی۔ مؤرخین نے ان پانچ افراد کے نام بھی لکھے ہیں۔ اور ایک خارجی عورت کو بھی اس میں شامل کیا ہے جس نے حضرت علی کو قتل کرنے کی صورت میں ابن ملجم سے شادی کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ ابن ملجم اگرچہ امیر المومنین کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ اسے فوراً گرفتار کر لیا گیا اس لئے وہ اپنے اس "کارنامہ" کے ثمرات سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا۔ اور امیر المومنین کو قتل کرنے کی پاداش میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

حضرت علی مسجد کوفہ کے نزدیک ایک وسیع و عریض اور کھلے میدان

میں دمن کیے گئے ــــ مورخین میں ان کی قبر کے بارے میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن شیعہ کہتے ہیں کہ وہ کوفہ سے کئی میل کے فاصلے پر "نجف" میں مدفون ہیں۔

شیعی عقائد میں تبدیلی

حضرت علی کی شہادت سے شیعی عقائد میں ایک زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ اب تک حضرت علی اپنے آپ کو خلافت کا اولین حق دار ضرور سمجھتے رہے تھے لیکن اپنی تائید میں انھوں نے کوئی نص صریح پیش نہ کی تھی لیکن ان کی شہادت کے بعد شیعہ کہنے لگے کہ حضرت علی کے مطالبہ خلافت کا مقصد شخصی اقتدار حاصل کرنا نہ تھا بلکہ وہ اس حق کو حاصل کرنا چاہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ ان کی خلافت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی اور وہی آپ کے جسمانی اور روحانی ترکہ کے حقیقی وارث تھے۔ اس عقیدہ کا اولین داعی عبداللہ بن سبا تھا۔ پہلے یہ شخص یہودی تھا بعد میں اسلام لے آیا۔ اس شخص نے بلاد اسلامیہ میں حضرت علی کی وصیت کے نظریہ کی تبلیغ شروع کر دی۔ وہ کہتا تھا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے محمدؐ بن عبداللہ کے وصی علی ہیں۔ اور انھیں خود جناب رسول اللہؐ نے اپنی وفات سے قبل اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ ابن سبا کے نظریہ کو مملکت میں فروغ

حاصل ہونے لگا اور اس کے قائلین روز بروز زیادہ ہونے لگے حضرت علی کی مدح میں کثرت سے روایات گھڑ گھڑ کر سنائی جانے لگیں حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہاں تک لکھا کہ "اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی شخص کی فضیلت کے متعلق اتنی روایات نہیں ہیں جتنی حضرت علی کی فضیلت میں ہیں"

عبداللہ بن سبا کو اپنی کوشش میں کس قدر کامیابی نصیب ہوئی اس کے متعلق ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ شخص حیلہ جوئی اور مکر و ریا کے فن کا ماہر تھا اور دجل و تلبیس سے کام لے کر مسلمانوں میں افتراق پھیلا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہ شخص یمن کا رہنے والا تھا۔ پہلے یہودی تھا بعد میں اسلام لے آیا۔ اور حجاز، بصرہ کوفہ اور شام کا گشت لگانا شروع کیا۔ بالآخر مصر میں سکونت اختیار کر لی وہاں اس نے لوگوں کو حضرت عثمان کی سیاست اور آپ کے عمال کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ مدینہ میں باغیوں کا جو وفد پہنچا تھا عبداللہ بن سبا اس کا ایک سرگرم رکن تھا مصر آنے سے پہلے یہ دمشق میں مقیم تھا۔ لیکن اس کی مفسدانہ روش کو دیکھ کر امیر معاویہ نے اسے وہاں سے نکال دیا بعض مؤرخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری کو عمال عثمانی کے خلاف برانگیختہ کرنے اور انھیں اشتراکی نظریات کو کھلم کھلا پیش کرنے

پر آمادہ کرنے والا شخص یہی عبداللہ بن سبا تھا۔ ایک روسی عالم نے لکھا ہے کہ جو شخص اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کرے گا اسے یہ بات ضرور محسوس ہوگی کہ گزشتہ دور میں مسلمانوں میں جتنے فتنے اور بغاوتیں اٹھیں اُن سب میں یہودی ہاتھ کام کر رہا تھا۔ ثبوت میں اس نے عبداللہ بن سبا اور عبداللہ بن میمون، اسماعیلی بغاوت کے سرگروہ کے نام بہ طور نمونہ پیش کئے ہیں۔

مؤلف روضۃ الصفا نے ابن سبا کے متعلق لکھا ہے:

"ایک یہودی کاہن مدینہ میں آیا اور اسلام قبول کیا۔ وہ حضرت عثمان کا قرب حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر وہ حضرت عثمان کے مخالفوں سے مل گیا اور اعلانیہ ان کے کاموں پر تنقید کرنے لگا۔ جب حضرت عثمان کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اسے مدینہ سے نکالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ مدینہ سے نکل کر مصر چلا گیا۔"

ابن سبا حضرت علی کی تائید میں یہ بات پیش کرتا تھا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور دوبارہ واپس آنے کے قائل ہیں ہمارا اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اسی صورت میں ثابت کر سکتے ہیں جب ہم بھی یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ دوبارہ دُنیا میں

تشریف لائیں گے۔ بعض غالی شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رُوح نے ہر نبی میں حلول کیا ہے۔ وہ ایک کے بعد دوسرے نبی میں منتقل ہوتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ حضرت علی اور ان کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے ان بیٹوں میں منتقل ہو گئی جنھیں امامت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ عقیدہ دراصل ابن سبا ہی کا ایجاد کیا ہوا تھا۔

حضرت حسن کی بیعتِ خلافت

ہمیں یہ بات تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہو سکی کہ آیا حضرت علی نے لوگوں کو اپنے بعد اپنے بیٹے حضرت حسن کی بیعت کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت علی کی وفات کے دو روز بعد جمہور مسلمانوں اور فوج نے کوفہ میں حضرت حسن کی بیعت کر لی تھی۔ یہ رمضان سنہ ۴۰ھ کی بات ہے خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت حسن نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے والد کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کو قتل کرا دیا۔ سوادِ عراق اور بلادِ جبل میں اپنے عمال بھیجے اور معاویہ سے جنگ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

یہ امر یقینی ہے کہ "اہل بیت کے حق خلافت" کا نظریہ اس دور میں پروان نہیں چڑھا تھا۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت علی کے قتل کے بعد حضرت حسن نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں کہا:

"آج رات کو ایسا شخص وفات پا گیا جس کے اعمال کو نہ پہلے لوگ پہنچ سکے اور نہ بعد میں آنے والے لوگ پہنچ سکیں گے۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا"

لیکن دیگر ماخذ اس روایت کی تائید نہیں کرتے۔ بہر حال خواہ حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو اس بات میں شبہ نہیں کہ اس دوران میں مملکت کی سیاسی صورت حال بے حد ابتر ہو چکی تھی۔ مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ کر اپنی وحدت کھو چکے تھے۔ مختلف نظریات نے فروغ پا کر باہمی تصادم کی صورت پیدا کر دی تھی۔ ان سب میں اہم ترین نظریہ حضرت علی کے وصی رسول ہونے کا تھا۔ اس نظریہ کے حاملین کے نزدیک حضرت علی میں خدائی روح حلول کر گئی تھی۔ جس کی بنا پر وہ جسے چاہتے اپنی وراثت منتقل کر سکتے تھے اور جسے چاہتے اپنے بعد خلافت اور امامت کے لئے نامزد کر سکتے تھے چنانچہ شیعی کتب میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے اہل بیت اور شیعی رؤسا کے سامنے حضرت حسن کو اپنی کتابیں اور ہتھیار مرحمت فرمائے اور کہا:

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وصی مقرر کرتے وقت کتابیں اور ہتھیار مرحمت فرمائے تھے اور مجھے حکم دیا تھا کہ میں مرتے وقت تمھیں اپنا وصی مقرر کر جاؤں اور اپنی کتابیں اور ہتھیار تمھیں دے دوں۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم مرتے وقت اپنے بھائی حسین کو اپنا وصی مقرر کر جانا"

اس کے بعد وہ حسین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

"تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کو اپنا وصی مقرر کر جانا۔ اور یہ سب چیزیں اس کے حوالے کر دینا"

اس کے بعد علی بن الحسین کا ہاتھ پکڑا اور کہا:

"تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے بیٹے محمد بن علی کو اپنا وصی مقرر کر جانا اور اسے رسول اللہ اور میری طرف سے سلام کہنا"

لیکن سنی کتابیں اس قسم کی روایات سے بالکل خالی ہیں۔ ان میں صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت علی کی شہادت کے بعد امیر المومنین کے لشکر اور اہل عراق نے حضرت حسن بن علی کی بیعت کر لی تھی۔ لیکن یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت علی نے انھیں اپنا وصی اور جانشین مقرر کیا تھا۔

ابو حنیفہ الدینوری نے اپنی کتاب "الاخبار الطوال" میں جو شیعی مصادر سے پہلے کی تالیف شدہ ہے حضرت علی کی شہادت کے بعد کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"حضرت علی کی تدفین رات کو عمل میں آئی۔ ان کی نماز جنازہ حضرت حسن نے پڑھائی اور نماز میں پانچ تکبیریں کہیں۔ یہ کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ انھیں کہاں دفن کیا گیا۔ تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد وہ مسجد اعظم میں آئے۔ وہاں لوگ اکٹھا تھے۔ انھوں نے آپ کی بیعت کی۔ بیعت

کے بعد آپ نے خطبہ پڑھا اور کہا:

"اے لوگو! کیا یہ کارستانی تمھاری ہے؟ تم نے امیر المومنین کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم! امیر المومنین اس رات قتل کئے گئے جس رات قرآن اترا، جس رات آخری وحی نازل ہوئی۔ اور قلم خشک ہو گیا۔ جس رات موسیٰ بن عمران کی روح قبض کی گئی اور جس رات حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھایا گیا۔"

جب امیر معاویہ کو حضرت علی کی شہادت اور حضرت حسن کی بیعت خلافت کی خبر ملی تو انھوں نے آپ سے لڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ عبداللہ بن عامر بن کریز کو کچھ فوج دے کر اپنے آگے روانہ کر دیا۔ وہ دمشق سے چل کر سیدھے انبار پہنچے اور وہاں سے مدائن جانے کا قصد کیا۔ اطلاع ملنے پر حضرت حسن عبیداللہ سے لڑنے کے لئے کوفہ سے مدائن روانہ ہوئے لیکن جب "ساباط" پہنچے۔ تو انھیں محسوس ہوا کہ ان کے ساتھی لڑنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ اور ان میں کمزوری اور دوں ہمتی سرایت کر چکی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ وہیں اتر پڑے اور لشکر کے سامنے یہ خطبہ دیا:

"اے لوگو! میں کسی مسلمان کے خلاف اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا۔ میں تمھارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم میں سے بیشتر لوگ جنگ سے جی چرا رہے ہیں۔ میں تمھیں

کسی ایسی بات پر مجبور کرتا نہیں چاہتا جسے تم ناپسند کرتے ہو!"

اس خطبہ کو سن کر معلوم ہو گیا کہ حضرت حسن جنگ کی بجائے صلح کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کے لشکر کا ایک حصہ خارجی خیالات رکھتا اور حضرت معاویہ سے صلح کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ انھوں نے یہ سن کر آپ کے نیچے سے مصلی کھینچ لیا۔ آپ کی چادر آپ کے کندھے سے اتار لی۔ حضرت حسن نے یہ دیکھ کر قبیلۂ ربیعہ اور ہمدان کو اپنی مدد کے لئے آواز دی۔ یہ لوگ فوراً آئے اور آپ کو شورش پسند لوگوں کے نرغے سے چھڑایا۔ اس کے بعد آپ مدائن روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک خارجی نے آپ کی ران میں نیزہ مارا۔ خارجی کو فوراً قتل کر دیا گیا۔ آپ اسی حالت میں مدائن پہنچے اور قصر ابیض میں داخل ہو کر طبیبوں کو بلایا۔ انھوں نے آپ کا علاج معالجہ کیا اور آپ ٹھیک ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے عبید اللہ بن عامر سے لڑائی کی تیاری کرنی شروع کی۔ اسی اثنا میں امیر معاویہ بھی دمشق سے چل کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے انبار پہنچے۔ وہاں قیس بن سعد بن عبادہ حضرت حسن کی طرف سے حاکم تھے۔ امیر معاویہ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر حضرت حسن عبید اللہ بن عامر سے لڑنے کے لئے نکلے۔ عبید اللہ نے منادی کرا دی:

"اے اہلِ عراق میں لڑنے کے لئے نہیں آیا، میری حیثیت تو معاویہ کے ہراول دستے کی ہے۔ انبار میں اہلِ شام کی فوجیں جمع ہیں۔ میری طرف سے

ابو محمد (حسن بن علی) کو سلام کہو اور عرض کرو کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو قتال اور خونریزی سے بچائیں "

جب لوگوں نے عبید اللہ کا یہ اعلان سنا تو وہ لشکر سے علیحدہ ہونے لگے۔ اور حضرت حسن کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ رہ گئے۔ ناچار حضرت حسن نے بھی جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور مدائن لوٹ گئے۔ عبید اللہ بن عامر نے وہاں کا محاصرہ کر لیا۔

ہمیں کامل یقین ہے کہ حضرت حسن خوں ریزی سے نفرت کرتے تھے اسی لئے آپ نے جنگ کے مقابلے میں صلح و عافیت کو ترجیح دی۔ مورخین نے حضرت حسن کے ابن عامر سے ملنے اور چند شرائط کے تحت امیر معاویہ کے حق میں دست برداری قبول کرنے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ابتدائی کتب تاریخ اس کی مکمل تائید کرتی ہیں۔ حضرت حسن نے امیر معاویہ کے سامنے جو شرائط پیش کی تھیں وہ یہ تھیں کہ جن اہلِ عراق نے اس سے پہلے امیر معاویہ کے مقابلے میں ان کے والد حضرت علی کی دل و جان سے تائید کی تھی انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ اسود و احمر کو امن دیا جائے۔ حضرت علی اور ان کے ساتھیوں کو برا بھلا کہنا بند کر دیا جائے۔ حسن کے لئے اہواز کا خراج مخصوص کر دیا جائے۔ ان کے بھائی حسین کو دو لاکھ درہم بھیجے جائیں اور

اور صلات و عطیات میں بنو ہاشم کو بنو عبد شمس پر فوقیت دی جائے۔

امیر معاویہ نے حضرت حسن کی ان شرائط کو قبول کر لیا۔ چنانچہ حضرت حسن مدائن سے کوفہ روانہ ہو گئے، وہاں ان کی امیر معاویہ سے ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے وقت حضرت حسن نے ان شرائط کی توثیق کرالی۔

وہاں سے وہ اپنے اہل بیت کو ساتھ لے کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ حضرت حسن کی معزولی کے بعد معاویہ نے اہل کوفہ کی بیعت لی اور مغیرہ بن شعبہ کو وہاں کا حاکم بنا کر خود شام لوٹ گئے۔

مسعودی لکھتا ہے کہ حضرت حسن پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے بطور خود معزولی اختیار کی اور دوسرے کے حق میں دست بردار ہو گئے۔

شیعہ کتب میں لکھا ہے کہ حضرت حسن نے محض اپنے حامیوں کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر خلافت معاویہ کے حوالے کی تھی۔

حضرت حسن نے ۴۵ برس کی عمر میں امیر معاویہ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ انھیں زہر دیا گیا تھا لیکن دوسرے لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کی وفات مرض سل سے ہوئی۔ بقیع میں اپنی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حسینؓ بن علیؓ

حضرت حسینؓ ۵ شعبان ۴ھ ہجری کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام حسین رکھا۔ حضورؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر سات سال کی تھی۔ اپنے والد حضرت علی کی شہادت کے وقت وہ ۳۷ برس کے تھے۔ اور اپنے بھائی حضرت حسن کی وفات کے وقت ۴۶ سال شہادت کے وقت ان کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اور ان کے بڑے بھائی حسن سے بے حد محبت کرتے تھے۔ کتاب تیسیر الاصول الی جامع الاصول (جلد ۲ ص ۸۵) میں ایک صحابی کی روایت درج ہے جس میں وہ کہتے ہیں "ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب یا عشا کی نماز پڑھانے کے لئے حجرہ سے

باہر تشریف لائے تو انھوں نے حسن یا حسین کو اٹھا رکھا تھا جب نماز کے لئے مصلّے پر کھڑے ہوئے تو انھوں نے بچّے کو اپنے پاس بٹھا دیا جب سجدہ میں گئے تو دیر تک سر نہ اٹھایا۔ جب کافی دیر ہو گئی تو میں نے سر اٹھایا کہ دیکھوں کیا ماجرا ہے۔ میں نے دیکھا کہ بچّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر سوار ہے۔ یہ دیکھ کر میں دوبارہ سجدے میں چلا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ نے نماز میں ایک سجدہ اتنا لمبا کر دیا کہ ہم نے خیال کیا کوئی واقعہ ہو گیا ہے یا آپ پر وحی نازل ہو گئی ہے۔"

رسول اللہ صلعم نے فرمایا:

"کوئی بات بھی نہیں ہوئی صرف اتنا ہوا کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا مجھے یہ بات ناگوار گزری کہ میں اُسے اپنی پیٹھ پر سے اتار دوں۔"

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر کے پاس سے گزرے تو آپ نے حسین کے رونے کی آواز سنی۔ آپ نے فاطمہ سے فرمایا:

"تم نے بچّے کو کیوں رُلا رکھا ہے؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

سنن ترمذی میں حضرت اسامہ بن زید سے ایک روایت مروی

مروی ہے ۔ وہ بیان کرتے ہیں :

"میں نے ایک مرتبہ رات کو کسی ضرورت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب حضورؐ باہر تشریف لائے تو آپ کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھے ۔ جب میں نے اپنا اصل مدعا عرض کر دیا تو پوچھا "یارسول اللہ! یہ آپ نے کیا چیز اٹھائی ہوئی ہے ؟" حضورؐ نے اپنی چادر اٹھائی تو دیکھا کہ وہ حسن اور حسین تھے ۔ آپؐ نے فرمایا:

"یہ میرے بیٹے اور نواسے ہیں ۔ اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما ۔ اور جو شخص ان سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما"

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ حسن اور حسین بھی آ گئے ۔ وہ دونوں سرخ قمیصیں پہنے ہوئے تھے اور صغر سنی کی وجہ سے لڑکھڑا کر چل رہے تھے ۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اترے اور انھیں پکڑ کر اپنے آگے بٹھا لیا، پھر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ (تمھارے مال اور تمھاری اولاد تمھارے لئے آزمائش کا باعث ہیں)

میں نے ان دونوں بچوں کو لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے خطبہ کو درمیان میں سے چھوڑ کر انھیں اٹھالیا۔"

حضرت حسین حضرت عمر کے عہد میں

حضرت ابن عباس کہتے ہیں:

"حضرت عمر بن الخطاب حسن اور حسین سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اور انھیں ہر معاملے میں اپنے بیٹے (عبداللہ بن عمر) سے مقدم رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے کچھ مال تقسیم کیا تو حسن اور حسین دونوں کو دس دس ہزار درہم دیئے۔ اس پر ان کے بیٹے نے ان سے شکایت کرتے ہوئے کہا:

"آپ جانتے ہیں کہ مجھے قبول اسلام اور ہجرت میں سابقیت کا شرف حاصل ہے۔ اس کے باوجود آپ ان بچوں کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں؟"

حضرت عمر نے جواب دیا:

"تم پر افسوس! تم ان کے نانا جیسا کوئی نانا۔ ان کے باپ جیسا کوئی باپ۔ ان کی ماں جیسی کوئی ماں۔ ان کی نانی جیسی کوئی نانی، ان کے ماموں جیسا کوئی ماموں۔ ان کی خالاؤں جیسی کوئی خالہ۔ ان کے چچا جیسا کوئی چچا اور ان کی پھوپی جیسی کوئی پھوپی تو پیش کرو سنو

ان کے نانا رسول اللہ علیہ وسلم تھے۔ باپ علی ہیں۔ والدہ فاطمہ تھیں، نانی خدیجہ تھیں، ماموں ابراہیم بن رسول اللہ تھے۔ خالائیں زینب رقیہ اور ام کلثوم تھیں، چچا جعفر بن ابی طالب تھے اور پھوپی ام ہانی بنت ابی طالب تھیں۔"

حضرت عمر نے ان دونوں کا وظیفہ ان کے والد جتنا مقرر کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ان تینوں کو پانچ پانچ ہزار درہم ملا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس یمن سے کچھ حلّے آئے۔ آپ نے انھیں لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ آپ رسول اللہ صلعم کے مزار اور منبر کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ وہ حلّے پہنے ہوئے آپ کے سلام کو آرہے تھے کہ اچانک آپ نے دیکھا کہ حسن اور حسین اپنی والدہ حضرت فاطمہ کے گھر سے جو مسجد سے ملحق ہی تھا نکلے، لیکن ان کے جسم پر کوئی حلّہ نہ تھا، یہ دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا:

"مجھے تمھیں حلّے پہنا کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔"

لوگوں نے عرض کیا: "امیر المومنین کیوں؟"

آپ نے فرمایا:

"ان بچّوں کی وجہ سے۔ تم سب کے پاس حلّے ہیں مگر ان کے پاس نہیں۔"

اس کے بعد آپ نے یمن کے حاکم کو لکھا کہ حسن اور حسین کے لئے دو حلّے فوراً بھیج دو۔ حاکمِ یمن نے حکم کی تعمیل میں فوراً دو عمدہ حلّے بھیج دیئے جو آپ نے ان دونوں کو پہنائے اور فرمایا:

"اب میرا جی خوش ہوا"

ابن خلدون اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت حسن اور حسین اس لشکر میں شامل تھے جس نے فتح مصر کے بعد افریقہ کی فتوحات میں حصّہ لیا تھا۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں وہ دونوں اسلامی لشکر کے ہمراہ جس میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ شامل تھے فتوحات حاصل کرتے ہوئے مغرب اقصیٰ تک پہنچ گئے تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ دونوں اس لشکر میں تھے جس نے طبرستان پر فوج کشی کی تھی۔

حضرت حسین فتنوں کے عہد میں

حضرت عثمان بن عفان کے عہد میں جب پہلی بار اسلام میں فتنہ برپا ہوا اور مفسدین نے مدینہ پر غلبہ حاصل کر کے خلیفہ پر دست درازیاں شروع کر دیں اور مسجد میں بھی اس پر پتھر پھینکنے سے دریغ نہ کیا تو حضرت حسین ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے خلیفہ کی مدافعت کا فرض ادا کیا۔ بعد میں جب حالات بہت نازک صورت اختیار کر گئے اور

مفسدین نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ کا پانی بند کر دیا اور آپ کے قتل کی تدبیریں اختیار کرنے لگے تو حضرت علی نے اپنے دونوں بیٹوں اور موالی کو بلایا اور انھیں ہتھیار دے کر کہا: "تم حضرت عثمان کے دروازے پر جا کر پہرہ دو اور کسی ایسے شخص کو گھر میں داخل نہ ہونے دو جو کوئی بُرا ارادہ لے کر آیا ہو"

اثنائے محاصرہ میں حضرت عثمان نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر باغیوں کو خطاب کیا اور بنہایت دردناک پیرایہ میں انھیں اپنے مذموم ارادوں سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن مفسدین پر اس کا الٹا اثر ہوا اور انھوں نے آپ پر تیر برسانے شروع کئے۔ حتیٰ کہ ان تیروں سے حضرت حسن بھی جو دروازے پر حفاظت کے لئے کھڑے تھے زخمی ہوگئے مفسدین کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں حضرت حسن اور حسین کا حال دیکھ کر بنو ہاشم نہ بھڑک اٹھیں۔ اس لئے انھوں نے جلد از جلد حضرت عثمان کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چند لوگ دروازہ میں سے داخل ہونے کی بجائے پچھلی دیوار پھاند کر حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت امیرالمومنین کے کمرہ میں ان کی بیوی کے سوا کوئی نہ تھا اور مصحف سامنے رکھا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے تلوار کے پے در پے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ اور جس راہ سے آئے تھے اسی راہ سے واپس چلے گئے

جب آپ کی بیوی حضرت نائلہ کے ہوش و حواس بجا ہوئے تو انھوں نے شور مچایا کہ امیر المومنین شہید کر دئے گئے۔ یہ سن کر حضرت حسن۔ حضرت حسین اور حفاظت پر متعین دوسرے لوگ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ امیر المومنین کی لاش خون میں لتھڑی ہوئی زمین پر پڑی ہے۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر وہ رونے لگے۔ جب حضرت علی کو امیر المومنین کی شہادت کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ جب تم لوگ دروازہ پر تھے تو امیر المومنین کو کیسے شہید کر دیا گیا؟ وہ اس وقت اتنے غصّے میں تھے کہ ان دونوں کو زدوکوب کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بھی جو ان دونوں کے ساتھ حفاظت کی غرض سے پہرہ پر متعین تھے آپ نے بہت برا بھلا کہا۔

حضرت علی کے کُل زمانۂ خلافت میں حضرت حسین اپنے والد ذی شان کے ساتھ رہ کر آپ کی خدمت بجالاتے رہے۔ جنگ ہائے جمل، صفین و نہروان میں آپ نے اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ تا آنکہ حضرت علی بھی شہید کر دئے گئے۔

حضرت حسین بڑے جری اور شجاع اللسان تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگ میں دشمن کی صفوں کے سامنے آپ نے مبارزت طلب کی صیف

مخالف میں سے ایک شخص جس کا نام زبرقان تھا اور جس کا شمار بڑے بڑے بہادروں میں ہوتا تھا نکل کر آیا اور پوچھا "تم کون ہو؟"

آپ نے جواب دیا "میں حسین بن علی ہوں"

یہ سن کر زبرقان کہنے لگا:

"اے میرے بیٹے لوٹ جاؤ، کیونکہ خدا کی قسم میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سرخ اونٹنی پر سوار قبا کی جانب سے تشریف لا رہے تھے اور تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوں کہ میرے ہاتھ تمھارے خون سے رنگے ہوئے ہوں"

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ شخص زبرقان کے علاوہ کوئی اور تھا اور یا ہی بات چیت کے بعد دونوں ایک دوسرے سے لڑے بغیر اپنے اپنے لشکر میں لوٹ گئے۔

حضرت علی کی شہادت کے بعد

جب حضرت حسین کو اپنے والد پر حملہ کی اطلاع ملی تو وہ فوراً دارالخلافہ پہنچے۔ اس وقت حضرت علی بیہوش تھے۔ تھوڑی دیر میں جب انھیں ہوش آیا تو انھوں نے حسن اور حسین کو بلایا اور فرمایا:

"میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا دنیا

کی طرف نہ جھکنا خواہ وہ تمھیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔ کسی کھوئی چیز پر افسوس نہ کرنا۔ ہمیشہ نیک کام کرنا۔ ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی مدد کرنا۔"

"اے بنو عبدالمطلب! میرے قتل کی وجہ سے تم مسلمانوں کا خون نہ بہانے لگ جانا۔ میرے قاتل کے سوا اور کسی کو قتل نہ کرنا۔ جب میں مر جاؤں تو تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن اڑا دینا لیکن اس کے اعضا نہ کاٹنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ مثلہ سے بچو خواہ باؤلے کتے ہی کا کیوں نہ ہو۔"

اس کے بعد اپنے تیسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ کو بلایا اور کہا: میں نے تمھارے بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں وہ تم نے سن لی ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا: "جی ہاں۔"

آپ نے فرمایا: "میں تمھیں بھی انہی باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اور ان کے علاوہ یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ ہمیشہ اپنے بھائیوں کی تابعداری کرنا، ان سے عزت سے پیش آنا، ان کی فضیلت کے معترف رہنا اور کوئی کام ان سے مشورہ کیے بغیر نہ کرنا۔"

اس کے بعد دوبارہ حسن اور حسین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "میں تمھیں بھی اس کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔

کیونکہ یہ تمھارا بھائی ہے یہ تم جانتے ہو کہ تمھارا باپ اس سے محبت کرتا تھا۔ لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرنا"

حضرت علی ۱۹ رمضان ۴۰ھ کی رات کو عبدالرحمٰن بن ملجم کی زہر آلود تلوار سے زخمی ہوئے تھے اور ۲۱ رمضان کی رات کو اپنے رب سے جا ملے۔ آپ کی تدفین طلوع صبح سے قبل ہی عمل میں آئی قبر میں اتارنے والے چار شخص تھے حسن حسین۔ محمد اور عبداللہ بن جعفر تدفین کے بعد قاتل پر شرعی حد جاری کی گئی اور حضرت علی کی وصیت کے بموجب اسے قتل کر دیا گیا۔

جب لوگوں نے حضرت حسن کی بیعت کر لی تو معاویہ بن ابی سفیان اپنی فوجوں کے ہمراہ شام سے عراق روانہ ہوئے۔ ادھر سے حضرت حسن ان کے مقابلے کے لئے شام کی جانب روانہ ہوئے لیکن راستے میں انھیں اس امر کا بڑی شدت سے احساس ہوا کہ ان کے ساتھی لڑنے سے جی چرا رہے ہیں۔ معاویہ جلیسے الشان کے مقابلے میں اس قدر دوں ہمت لشکر کسی صورت میں کامیاب نہ ہو سکتا تھا، لہٰذا انھوں نے جنگ کی بجائے صلح کو ترجیح دی اور بعض شرائط کے تحت امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

بنو ہاشم کو حضرت حسن کا یہ موقف پسند نہ تھا۔ ان کے بھائی حسین تو

اُن کی اس کارروائی سے سخت ناراض تھے اور انھوں نے ان سے کہا:
"میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ معاویہ کی باتوں میں نہ آئیں، اور ان سے لڑیں۔"

لیکن چونکہ حضرت حسن کو اپنے مددگاروں سے کسی قسم کی بھلائی کی توقع نہ تھی اس لئے انھوں نے صلح ہی کو ترجیح دی۔

حضرت حسن کی دست برداری کے بعد ہر قسم کا اقتدار امیر معاویہ کے ہاتھ میں آگیا۔ اور ایک لمبے عرصے کی خونریزی کے بعد وہ مملکتِ اسلامیہ پر بلا شرکت غیرے قابض ہو گئے۔

ہمیں اس جگہ امیر معاویہ کے موقف اور ان کے اعمال و افعال پر تنقید کرنی مقصود نہیں ہے۔ ان امور کے متعلق ہم اپنی ایک اور کتاب "معاویہ بن ابی سفیان" میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں تاہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ انھوں نے امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے خلاف بغاوت کر کے توسیع مملکت اور اقتدار کی خاطر مملکت کے خزانہ کو بیدردی سے خرچ کر کے اور خلافتِ راشدہ کو ختم کر کے شخصی حکومت اور موروثی بادشاہت کا نظام قائم کر کے اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔

اپنی زندگی میں یزید کے لئے بیعت لے لیا اور وہ بھی اس حالت میں کہ انھیں اس کے غیر اسلامی افعال و اعمال کا اچھی طرح علم تھا۔ اُن

اُن عظیم مصائب میں سے ہے جو امیر معاویہ کے ہاتھوں اسلام کو برداشت کرنے پڑے۔ اصل اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا کچھ حصہ عطا فرماتا ہے۔ اس سلطنت کا حشر جو امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو دی سب کے سامنے ہے معاویہ کا خیال تھا کہ انھوں نے اپنے سب مخالفوں کو ختم کر کے یزید کے لئے ہر قسم کی راہ ہموار کردی ہے۔ اور ان کے بعد اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کچھ اور ہی تدبیر کر رہا تھا۔ امیر معاویہ کی آنکھ بند ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ان کی چھوڑی ہوئی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہونے لگا، اور چند ہی دنوں میں ان کی اولاد حکومت و بادشاہت سے محروم ہوگئی۔

یزید بن معاویہ

یزید بن معاویہ ایک دن نیند سے بیدار ہوا تو وہ مسلمانوں کا بادشاہ بن چکا تھا لیکن مسلمانوں نے اس کی بادشاہت کو اچھی نظروں سے نہ دیکھا۔ انھیں معلوم تھا کہ بلادِ اسلامیہ میں ایسے لوگ کثرت سے موجود ہیں جنھوں نے اسلام کی خاطر عظیم قربانیاں دی ہیں۔ اور جو حسب ونسب، عزت وشرف اور وجاہت کے لحاظ سے یزید سے کہیں بڑھ کر تھے۔ حکومت کے اہل تھے تو وہ نہ کہ یزید۔ امیر معاویہ ہی کے عہد سے لوگ یزید سے نفرت کرتے تھے اور ان کا خیال

تھا کہ امیر معاویہ کبھی ایسے شخص کو امت کے سر پر مسلط نہ کریں گے جس کی بداعمالیوں، عیش وطرب اور لہو ولعب کی داستانیں زبان زد خلائق تھیں۔ لیکن امیر معاویہ نے تمام باتوں کو نظر انداز کر کے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور اس طرح اسلامی جمہوریت کو شخصی حکومت میں تبدیل کر کے ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھول دیا جس کے بدنتائج آج تک امتِ محمدیہ کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔

یزید کی حکومت صرف چند برس قائم رہی۔ لیکن اس مختصر دورانِ حکومت میں اس نے پے در پے ایسے کام کیے جن کے باعث مسلمانوں میں ان کے خلاف بے حد نفرت پیدا ہو گئی۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کا محاصرہ اور امام حسینؓ کی شہادت۔ یہ وہ حادثات تھے جن کے باعث تمام مملکت میں شدید بے چینی پھیل گئی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک فعل کا ارتکاب بھی تمام مملکت میں بے چینی اور اضطراب کا موجب اور سربراہ مملکت کے زوال کا باعث بن سکتا تھا۔

مستشرقین کی آراء بعض مستشرقین نے یزید کے حلم، ادب، علم، سیاست اور لیاقت کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے اور لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ حکومت کا ہر طرح اہل تھا۔ مشہور مؤرخ لامنس حمایتِ یزید میں سب سے بڑھا ہوا ہے

اس نے یزید کے عہد حکومت اور اخلاق و عادات کے متعلق باقاعدہ ایک کتاب تحریر کی ہے۔ جو درحقیقت بے سروپا روایات کا ایک مجموعہ ہے اور جس میں ہر ممکن طریقے سے اسے نیک خصال ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ یزید کو اپنے سے پہلے لوگوں کے گناہوں اور اعمال کی سزا بھگتنی پڑی۔ امیر معاویہ اور امویوں نے جو جو زیادتیاں کی تھیں ان کے باعث لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن معاویہ کی طاقت و قوت کے باعث اس کا اظہار ان کے عہد میں نہ ہو سکا۔ جب یزید کا دور آیا تو وہ مخفی غیظ و غضب پھوٹ پھوٹ کر باہر نکلنے لگا۔ اس نے جلد ہی تند و تیز سیلاب کی صورت اختیار کر لی جو ہر چیز کو جو اس کی راہ میں آئی خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ اس صورت میں دراصل اس کو اپنے پیش رووں کی غلطیوں کا کفارہ دینا پڑا۔

ہمیں اس رائے پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہماری کتاب یزید کے حالات اور اس کے عہد کی تاریخ کے متعلق نہیں ہے۔ اس کے متعلق ہم ایک علیحدہ کتاب "یزید بن معاویہ" تالیف کر چکے ہیں لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ یزید کے متعلق مستشرقین کی مدح سرائی مبالغہ سے بھرپور

اور حقیقت واقعہ سے بہت دُور ہے۔ یزید کے حکومت سنبھالتے ہی
لوگوں پر یہ امر واضح ہونا شروع ہو گیا کہ اس میں سیاسی سوجھ بوجھ نام کو نہ تھی۔
احتیاط کا مادہ اس میں بالکل نہ تھا۔ البتہ طبیعت میں تیزی اور تندی بلا کی
تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے مختلف علاقوں میں نئے عامل مقرر کرتے وقت
غور و فکر اور احتیاط سے کام نہ لیا۔ اور نہ صرف بدترین عمال وہاں بھیجے
بلکہ انھیں وہاں کے باشندوں پر ظلم و ستم کرنے کی بھی کھلی چھٹی دے دی۔
اگر اس میں نرمی کا مادّہ ہوتا اور وہ اپنے عمّال کو بھی ان لوگوں سے نرمی
اور محبّت کا سلوک کرنے کا سختی سے حکم دیتا جو اس کی حکومت سے برگشتہ
اور ناراض تھے تو عبید اللہ بن زیاد جیسے عمّال کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اس کے
حکم سے سرتابی کر سکتے۔ اس وقت تک شورش زیادہ نہ بڑھی تھی۔ اور لوگوں
کا غیظ و غضب نقطۂ عروج کو نہ پہنچا تھا۔ اگر یزید ابتدا ہی سے عقل مندی
سے کام لیتا اور نرمی و محبت سے لوگوں کے دلوں کو موہ لینے کی کوشش
کرتا تو اس کے خلاف بغاوت خطرناک رُخ اختیار نہ کرتی۔ لیکن اس نے
برسر اقتدار آتے ہی تلوار کو نیام سے نکال لیا۔ اور اپنے عمّال اور
سپہ سالاروں کو کھلی چھٹی دے دی۔ کہ لوگوں سے جیسا سلوک چاہیں کریں
یہ پہلی ہولناک غلطی تھی جو یزید سے سرزد ہوئی۔ اور ایسی بدترین سیاست
تھی جس نے اسلامی سلطنت کی نشو و نما کو ابتدا ہی میں سخت نقصان

پہنچایا۔

بیعت یزید کی پیدائش ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں بہ زمانہ حضرت عثمان بن عفان ہوئی تھی۔ جس روز امیر معاویہ کی وفات ہوئی اسی دن اس کی بیعت لی گئی۔ حکومت حاصل ہوتے ہی اس نے ان لوگوں سے بزور بیعت لینے کی تدابیر اختیار کرنی شروع کیں جنھوں نے اس کے والد کے عہد میں اس کی ولی عہدی کی بیعت لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی جذبے کے تحت اس نے اپنے مدینہ کے عامل ولید بن عقبہ کو لکھا:

"امابعد! معاویہ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت اور حکومت عطا فرمائی۔ قضا و قدر سے وہ وفات پا گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ انھوں نے بڑی اچھی زندگی گزاری اور نیکی اور تقویٰ کی حالت میں وفات پائی۔"

خط کے آخر میں لکھا:

"تم حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو۔ اور اس مدت تک انھیں نہ چھوڑو جب تک وہ بیعت نہ کر لیں۔"

جب ولید کو امیر معاویہ کی وفات کی خبر ملی تو اس نے مروان بن الحکم

کو جو اس سے قبل مدینہ کا حاکم رہ چکا تھا مشورہ کے لئے بلایا۔ مروان نے یہ صلاح دی کہ وہ اسی وقت ان لوگوں کو بلا کر ان سے بیعت لے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا:

"ابن عمر تنہائی پسند انسان ہیں۔ اُن سے لڑائی جھگڑے کا کوئی خطرہ نہیں، اس لئے اگر ان کے بارے میں توقف بھی کیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن حسین اور عبداللہ بن زبیر کو اسی وقت بلا کر بیعت پر مجبور کرنا چاہیے۔ بیعت کر لیں تو فبہا ورنہ ان کی گردنیں اُڑا دو۔"

چنانچہ ولید نے عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو جو اس وقت بچہ ہی تھا حضرت حسین اور عبداللہ بن زبیر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ وہ دونوں اس وقت مسجد میں تھے۔ عبداللہ نے انھیں ولید کا پیام دیا۔ حضرت حسین کے ساتھ ان کے بہت سے ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ انھیں لے کر دارالامارۃ روانہ ہوئے۔ اور قریب پہنچ کر ان سے کہا کہ تم لوگ دروازہ پر ٹھہرو میں ولید کے پاس جاتا ہوں۔ اگر میں تمھیں بلاؤں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہو گئی ہے تو تم دروازہ کھول کر اندر چلے آنا۔ ورنہ باہر ہی ٹھہرے رہنا۔

چنانچہ وہ ولید کے پاس گئے۔ مروان بھی وہیں تھا۔ ولید نے انھیں معاویہ کی وفات کی خبر سنائی اور یزید کے خط کے مضمون کی اطلاع دی۔

حضرت حسین نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا:

"اللہ تعالیٰ معاویہ پر رحم کرے۔ جہاں تک بیعت کا تعلق ہے تو میرے جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کرسکتا، آپ دوسرے لوگوں کو بھی بیعت کے لئے بلائیے اور ہمیں بھی ان ہی کے ساتھ بیعت کی دعوت دیجئے یہ معاملہ ایک ہی جگہ طے ہوگا۔"

یہ کہہ کر حضرت حسین واپس تشریف لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا:

"تم نے میری بات نہ مانی اور حسین کو نکل جانے دیا۔ خدا کی قسم اب تم اس وقت تک ان پر قابو نہ پاسکو گے جب تک تمہارے اور ان کے درمیان اچھی طرح خونریزی نہ ہولے گی۔"

ولید نے کہا:

"تم پر افسوس! کیا تم مجھے حسین کے قتل کا مشورہ دیتے ہو۔ خدا کی قسم جس شخص کو قیامت کے دن اللہ کے حضور حسین کے خون کا حساب دینا ہوگا وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔"

حضرت حسین ولید کے پاس سے اٹھ کر اپنے گھر آئے اور رات وہیں گزاری۔ ولید نے ابن زبیر کو بیعت کے لئے لکھا لیکن وہ رات ہی کو مدینہ سے مکّہ روانہ ہوگئے۔ صبح کو ولید نے اپنے آدمی ان کے تعاقب میں

روانہ کئے لیکن وہ انھیں پا نہ سکے اور ناکام واپس آ گئے۔ اگلی رات کو حضرت حسین بھی اپنے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور تمام خاندان والوں کو لے کر مکہ روانہ ہو گئے۔ صرف محمد بن الحنفیہ مدینہ میں باقی رہ گئے۔ جب ولید کو ان لوگوں کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو اس نے حضرت عبداللہ بن عمر کو بلا کر بیعت کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے بلا چون وچرا بیعت کرلی۔ اسی طرح حضرت ابن عباس نے بھی بیعت کرلی۔

حضرت حسین ۳ شعبان کو جمعہ کے دن مکہ پہنچے۔ اور شعب علی میں مقیم ہوئے۔ جب اہلِ مکہ کو ان کی آمد کا علم ہوا تو انھوں نے جوق در جوق اُن کے پاس آنا شروع کیا۔

خطوط کا تبادلہ

حضرت حسین اور معاویہ

حضرت حسین اور ان کے عراقی مددگاروں کے تعلقات بہت مضبوط تھے۔ اہل عراق انھیں پے در پے خطوط بھیجتے رہتے تھے جن میں انھیں امیر معاویہ کے خلاف بغاوت کرنے اور عراق آنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ اور یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ عراق پہنچنے پر وہ ان کی دل و جان سے مدد کریں گے۔ ان خطوط کا سلسلہ ان کے بڑے بھائی حضرت حسن کی زندگی ہی سے جاری تھا اور ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ حضرت حسین ایک ہی جواب دیتے تھے۔ کہ ابھی انتظار کرو کیونکہ امیر معاویہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ حالات میں مزید ابتری پیدا ہونے نہیں دیں گے

ایسی صورت میں وعدہ شکنی مناسب نہیں۔ امیر معاویہ کے عمال یہ تمام خبریں دمشق بھیجتے رہتے تھے۔ اور انھیں لکھتے تھے کہ حسین بغاوت پر آمادہ ہیں اس لئے ان کا مقررہ وظیفہ بند کر دیا جائے۔ لیکن امیر معاویہ انھیں یہ جواب دیتے تھے کہ وہ حسین سے ہرگز کوئی تعرض نہ کریں۔ اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ ساتھ ہی وہ پابندی سے انھیں ان کا گراں قدر وظیفہ جس کی مقدار کئی درہم سالانہ تھی پابندی سے بھیجتے رہتے تھے۔[1]

لیکن امیر معاویہ کے ایک عامل ولید بن علبہ نے حضرت حسین اور ان کے حامیوں کے باہمی تعلقات کو منقطع کرنا چاہا تھا۔ یہ ہمیں معلوم نہیں کہ ایسا اس نے اپنی مرضی سے کیا تھا یا امیر معاویہ کے حکم سے۔ ولید مذکور بہت رحم دل اور نیک طینت تھا۔ ابن عباس ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ کا حاکم بنا تو اس نے تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا تھا اور جتنے قرضدار مدینہ میں تھے ان کے قرضے ادا کر دیئے تھے۔ ولید کی اس صفت کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ خیال ہوتا ہے کہ اس نے حضرت حسین اور ان کے حامیوں کی خط و کتابت اس لئے بند کرا دی تھی کہ امیر معاویہ کو حضرت حسین کے خلاف کارروائی

---

[1] البلاذری والعقد الفرید۔

کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکے۔

حضرت حسین کے سب سے بڑے حمایتی اور بغاوت کے سب سے زیادہ شائق کوفہ کے لوگ تھے۔ جب انھیں امیر معاویہ کی وفات، حضرت امام حسین کا بیعت سے انکار اور ان کے مکہ آنے کا پتہ چلا تو وہ سلیمان بن صرد الخزاعی کے مکان پر جمع ہوئے۔ سلیمان نے ایک پرجوش تقریر کی جس میں اس نے کہا:

"حسین مدینہ سے نکل کر مکہ آ گئے ہیں۔ تم ان کے اور ان کے والد کے حامی و مددگار رہو۔ اگر تمھیں یہ یقین ہے کہ تم ان کی پوری مدد کر سکو گے تو تم انھیں خط لکھو لیکن اگر کمزوری اور ناکامی کا ڈر ہے تو پھر انھیں یزید کے خلاف کھڑا کر کے ان کے لیے مصائب کا دروازہ نہ کھولو۔"

سب حاضرین نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

"نہیں ہم ان کے دشمن سے لڑیں گے اور ان پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔"

اہلِ کوفہ کے خطوط

چنانچہ سلیمان بن صرد الخزاعی، مسیب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر نے حضرت امام حسین کو خطوط لکھے، جن میں لکھا کہ ہم آپ کی بیعت

کرتے ہیں اور آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ کوفہ تشریف لائیں اور یزید کے عامل کو یہاں سے نکال کر اپنی حکومت قائم کریں۔ دوسرے آدمیوں نے بھی کثرت سے اسی قسم کے خطوط تحریر کیے۔ جب حضرت حسین کو یہ خطوط ملے تو انھوں نے اپنے حامیوں کو جواب دیا کہ میں مسلم بن عقیل کو دریافت حال کے لیے کوفہ بھیج رہا ہوں۔ اگر انھوں نے دیکھا کہ آپ لوگ ہر طرح میری مدد کے لئے تیار ہیں تو میں ضرور کوفہ آؤں گا۔

مسلم بن عقیل مسلم بن عقیل بن ابی طالب کوفہ آکر مختار بن ابی عبید کے گھر ٹھہرے۔ امام حسین کے حامی کثرت سے ان کے پاس آتے اور ان کی بیعت کرتے۔ چند ہی دنوں میں اٹھارہ ہزار آدمیوں نے آکر اُن کی بیعت کی۔ کوفہ کے امیر ان دنوں نعمان بن بشیر تھے۔ جو بہت نرم دل انسان تھے۔ انھوں نے مسلم بن عقیل کے خلاف طاقت استعمال کرنے سے گریز کیا۔ بنو امیہ کے بعض لوگوں کو ان کی نرمی بہت ناگوار گزری اور انھوں نے یزید کو ان حالات کی اطلاع دی۔ یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو جو اس زمانے میں بصرہ کا حاکم تھا۔ تبدیل کر کے کوفہ کا عامل بنا دیا۔ اور اسے حکم دیا کہ کوفہ جا کر پہلا کام یہ کرے کہ مسلم بن عقیل کو گرفتار کر لے۔ اس کے بعد اگر مناسب سمجھے تو انھیں قتل کر دے۔

اور چاہے تو کوفہ سے باہر نکال دے۔

حضرت حسین نے بصرہ کے بعض معززین کو بھی اپنی تائید کرنے کے لئے لکھا تھا۔ بعض نے تو مدد کا وعدہ کر لیا، لیکن بعض لوگوں نے عبید اللہ کے ڈر سے وہ خط اس کے حوالے کر دیئے جنھیں پڑھ کر اس کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا۔

ابن زیاد نے یزید کا حکم پہنچنے پر کوفہ جانے کی تیاری کی لیکن روانگی سے پہلے اہلِ بصرہ کو یہ دھمکی دیتا گیا کہ اگر انھوں نے بغاوت اور فتنہ و فساد کا ارادہ کیا تو ان کی خیر نہ ہوگی۔ کوفہ پہنچتے ہی وہ سیدھا قصرالامارۃ گیا اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ایک شخص کو بلند آواز سے الصلوٰۃ جامعۃ کہنے کا حکم دیا۔ اس زمانہ میں ہر نئے امیر کا یہ طریقہ تھا کہ جب اُسے امارت کا پروانہ ملتا تو وہ لوگوں کو جامع مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیتا۔ سب سے پہلے اپنی تقرری کا پروانہ سناتا اس کے بعد ایک تقریر کرتا جس میں بتاتا کہ اہل شہر کے متعلق اس کی سیاست کیا ہوگی۔ اور وہ ان سے کس طرح برتاؤ کرے گا۔

ابن زیاد کی سیاست

ابن زیاد نے کوفہ آتے ہی پہلا کام یہی کیا۔ الصلوٰۃ جامعۃ کے اعلان کے بعد جب لوگ جامع مسجد میں جمع ہو گئے تو ابن زیاد محل سے نکلا اور مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

"امیر المومنین نے مجھے تمھارے شہر اور علاقے کا حاکم بنایا ہے اور مظلوم سے انصاف کرنے، غریب اور حاجت مند کی مدد کرنے اور اطاعت گزاروں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں ان کے حکم کو ہر حال میں پورا کروں گا۔ احسان کرنے میں تم مجھے اپنے باپوں کی مانند پاؤ گے لیکن جو شخص میرے احکام سے سرتابی کرے گا اور مجھ سے کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کرے گا میں اسے تلوار اور کوڑے کا مزا چکھاؤں گا۔"

اس کے بعد اس نے شہر کے تمام نمبرداروں کو جمع کیا اور انھیں حکم دیا کہ ان کے محلے کا جو جو شخص دربارِ خلافت سے باغی ہے اس کا نام اس کے حضور پیش کریں۔ اگر بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ نمبردار نے کسی باغی کا نام جان بوجھ کر چھپایا ہے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے گا۔

جب مسلم نے یہ تمام ماجرا سنا تو انھوں نے کوفہ کے ایک معزز شخص ہانی بن عروۃ المرادی کے گھر میں پناہ لی اور ان کے حامیوں اور مددگاروں نے وہاں ان کے پاس آنا جانا شروع کیا۔ اس سے پہلے مسلم حضرت امام حسین کو یہ اطلاع بھیج چکے تھے کہ کوفہ کے اٹھارہ ہزار آدمی میرے ہاتھ پر آپ کے لئے بیعت کر چکے ہیں اس لئے آپ کو فوراً

یہاں آجانا چاہیے۔

ابن زیاد کا جاسوس ابن زیاد نے اپنے ایک آدمی کو مسلم بن عقیل کی جاسوسی پر مقرر کیا۔ چنانچہ وہ مسلم کے پاس آیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ امام حسین کے بہت بڑے حامیوں میں سے ہے۔ مسلم کو بھی اس پر کامل اعتماد ہو گیا۔ اس طرح وہ ان کی اور ان کے حامیوں کی تمام خبریں ابن زیاد کو پہنچانے لگا۔

بالآخر ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو بلایا اور کہا:

"ہانی! یہ کیا بات ہے؟ تمھارا گھر امیر المومنین کے خلاف سازشوں کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ تم نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی ہوئی ہے اور تم ان کے لئے ہتھیار اور فوج جمع کر رہے ہو۔ تمھیں یہ خیال کیسے پیدا ہو گیا کہ تمھاری یہ باغیانہ کارروائیاں مجھ سے چھپی رہیں گی؟"

ہانی نے جواب دیا: "میں نے امیر المومنین کے خلاف کوئی باغیانہ کارروائی نہیں کی اور نہ مسلم میرے گھر میں ہیں۔"

ابن زیاد نے کہا: "تم یہ کیسے کہتے ہو؟ مسلم بن عقیل یقیناً تمھارے گھر میں موجود ہیں۔"

ہانی نے اس پر بھی انکار کیا۔ آخر جب گفتگو بہت طول پکڑ گئی اور ہانی برابر انکار کرتا گیا تو ابن زیاد نے اس جاسوس کو بلایا جو مسلم اور ان

کے ساتھیوں کی خبریں لاکر اسے دیا کرتا تھا۔ جب ہانی نے اسے دیکھا تو معلوم ہو گیا کہ ابن زیاد نے اس شخص کو مسلم کی نگرانی اور جاسوسی پر متعین کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ سناٹے میں آگیا۔ سنبھلا اور بولا:

"آپ میری بات سنیں اور اس کا یقین کریں۔ خدا کی قسم مسلم کو میں نے اپنے گھر میں نہیں بلایا وہ خود میرے پاس آئے اور میرے گھر پر قیام کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں ان کے احترام کی وجہ سے ان کی خواہش رد نہ کرسکا"

ابن زیاد نے کہا: "اگر یہ بات سچ ہے تو انھیں میرے سامنے لاکر حاضر کردو۔"

ہانی نے جواب دیا:

"میں یہ کام ہرگز نہ کروں گا۔ کہ اپنے مہمان کو قتل کرنے کے لئے تمھارے حوالے کردوں۔ خدا کی قسم اگر وہ میرے ان قدموں کے نیچے بھی ہوتے تو میں ان کی حفاظت کی خاطر اپنے پاؤں زمین سے نہ اٹھاتا۔"

ابن زیاد نے یہ سن کر ہانی کو اپنے قریب آنے کو کہا جب وہ قریب آیا تو اس نے ایک چھڑی لے کر ان کے چہرے پر مارنی شروع کی جس سے ان کی ناک ٹوٹ گئی۔ رخساروں کا گوشت پھٹ گیا اور خون گر گر اس کے کپڑوں کو تر کرنے لگا۔

کچھ دیر تک تو ہانی نے صبر کیا۔ پھر قریب کھڑے ہوئے سپاہی سے

تلوار چھیننے اور ابن زیاد پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

یہ دیکھ کر ابن زیاد نے کہا:

"اب اللہ نے تیرا خون مجھ پر حلال کر دیا!"

یہ کہہ کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ہانی کی مشکیں کس لیں اور اسے محل کے ایک گوشے میں قید کر دیں۔

مسلم بن عقیل کی شہادت

دھوکا ہانی کے قید کئے جانے کے بعد مسلم بن عقیل اور ان کے ساتھیوں نے یہ محسوس کیا کہ اب دشمن پر قابو پانے کے لیئے اس کے خلاف اٹھنا ضروری ہے۔ چنانچہ مسلم نے چار ہزار آدمیوں کے ساتھ عبید اللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت عبید اللہ کے پاس محل میں صرف تیس سپاہی اور بیس اہل کوفہ تھے۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے مقابلے کا ارادہ کیا تو چار ہزار آدمیوں کے مقابلے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اس لیئے حیلہ جوئی اور دھوکا دہی سے کام چلانا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اپنے بعض مددگاروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ وہ محل سے باہر نکل کر ان لوگوں سے مل جائیں اور یہ کہہ کر انھیں حاکم کوفہ کی اطاعت کی تلقین کریں

کہ امیر المومنین کی فوجیں شام سے روانہ ہو چکی ہیں، جو شخص ان کے مقابلے پر اُٹھے گا وہ عنقریب عبرت ناک سزا کا منہ دیکھے گا لیکن جو شخص اطاعت اور فرماں برداری اختیار کرے گا وہ انعام و اکرام کا مستحق ٹھیرے گا۔

اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا لوگ مسلم کا ساتھ چھوڑ کر جانے لگے جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو ان کے گرد ان کا ایک بھی ساتھی و مددگار موجود نہ تھا۔ یہ دیکھ کر انھیں آنے والی آفت کا اندازہ ہو گیا۔ وہ کوفہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے مگر انھیں پناہ کی کوئی جگہ نظر نہ آتی تھی۔ آخر وہ ایک بوڑھیا کے مکان پر پہنچے اور اس سے پناہ کی درخواست کی۔ عورت نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے انھیں گھر میں چھپا لیا۔ لیکن اس کے بیٹے کو معلوم ہو گیا، اس نے اس کا تذکرہ اپنے ایک ہم عمر سے کر دیا۔ اس نے اپنے باپ محمد بن الاشعث کو جو اس وقت ابن زیاد کے دربار میں تھا یہ ماجرا کہہ سنایا۔ ابن اشعث نے ابن زیاد سے کہا کہ مسلم فلاں گھر میں موجود ہیں۔ ابن زیاد نے کہا انھیں اسی وقت لا کر میری مجلس میں حاضر کرو۔ ابن اشعث ستر آدمیوں کو ہمراہ لے کر مسلم کو گرفتار کرنے کے لئے چلا۔ جب مسلم نے گھوڑوں کے ٹاپوؤں کی آواز سنی تو وہ تلوار لے کر نکل آئے اور لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ لوگوں نے ان پر پتھر برسائے اور گھر میں آگ پھینکنی شروع کر دی، یہ دیکھ کر وہ گلی میں نکل آئے اور مقابلہ شروع کر دیا لیکن ایک

ستر کا مقابلہ۔ جب زخموں سے چور ہو گئے۔ تو ابن اشعث نے کہا:
"اے میرے بیٹے تم اپنی جان کے دشمن نہ بنو، میں تمھاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔"
مسلم نے کہا: "اگر تم میری حفاظت کا ذمہ نہ لیتے تو میں کبھی اپنا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں نہ دیتا۔"
جب لڑائی بند ہو گئی تو لوگ ایک خچر لائے اور مسلم کو اس پر سوار کرایا۔ اور ان کی تلوار ان سے چھین لی۔ یہ دیکھ کر مسلم کو اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ اور ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
جب لوگوں نے انھیں روتے دیکھا تو کہا کہ آپ جس کام کے لئے یہاں آئے تھے اگر کوئی دوسرا شخص اسی کام کے لئے یہاں آتا اور اس کے ساتھ بھی یہی ماجرا پیش آتا جو آپ کے ساتھ آیا ہے تو وہ کبھی نہ روتا۔ مسلم نے کہا: "میں اپنی جان کے لئے نہیں رو رہا بلکہ اپنے ان اہل و عیال پر رو رہا ہوں جو عنقریب یہاں آنے والے ہیں۔ میں حسین اور آل حسین پر رو رہا ہوں۔"
اس کے بعد انھوں نے ابن اشعث سے التجا کی کہ وہ حضرت امام حسین کو ان تمام حالات کی اطلاع دے دے اور انھیں مکہ واپس جانے کی ہدایت کر دے۔ ابن اشعث نے وعدہ کر لیا کہ وہ ان کی یہ خواہش پوری کر دے گا۔ اور واقعی اپنے ایک آدمی کو بھیج کر ان تمام حالات کی اطلاع

حضرت امام حسین کو کر بھی دی۔

جب لوگ مسلم کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لائے تو پیاس سے ان کی بری حالت ہو رہی تھی۔ انھوں نے پانی مانگا مگر ظالموں نے صاف انکار کر دیا۔ جب انھیں ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا:

"اے ابن عقیل! تم ہی تھے جو لوگوں کو بھڑکانے اور ان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے یہاں آئے تھے؟" مسلم نے جواب دیا:

"ہرگز نہیں۔ میں لوگوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے یہاں نہیں آیا بلکہ اس شہر کے لوگوں کا خیال تھا کہ تیرے باپ نے ان کے بہترین اور معزز آدمیوں کو قتل کر دیا اور خون بہایا۔ اس نے قیصر و کسریٰ جیسے کام کئے۔ اب ہم یہاں اس لئے آئے تھے تاکہ عدل و انصاف قائم کریں اور لوگوں کو کتاب اللہ اور سنت نبوی کے احکام کی دعوت دیں۔"

ابن زیاد نے کہا:

"اے فاسق! کہاں تم اور کہاں یہ کام۔ اللہ تعالیٰ مجھے قتل کرے اگر میں نے تمھیں اس طرح قتل نہ کیا کہ آج تک اسلام میں کسی کو قتل نہ کیا گیا ہوگا۔"

مسلم نے جواب دیا:

"یقیناً اسلام میں بدعتیں پیدا کرنے کے تم ہی سب سے زیادہ سزاوار ہو۔ تم خبث سیرت اور کمینگی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھو۔"

یہ سن کر زیاد مسلم حسین۔ علی اور عقیل وغیرہ کو گالیاں دینے لگا لیکن مسلم خاموش کھڑے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ابن زیاد نے کہا:

"اسے محل کی چھت پر لے جاؤ۔ اور سب لوگوں کے سامنے اس کی گردن اُڑا دو۔"

چنانچہ سپاہی انھیں محل کی چھت پر لے گئے۔ مسلم نے اپنے قتل کا حکم سن کر تکبیر و درود پڑھنا شروع کیا اور یہ دعا مانگی:

"اے اللہ ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما جس نے ہم سے جھوٹ بولا اور ہمیں دھوکا دیا۔"

ابھی یہ الفاظ ان کی زبان پر ہی تھے کہ سپاہیوں نے تلوار سے ان کی گردن اڑا دی اور ان کی نعش محل سے لڑھکتے ہوئے نیچے آ پڑی۔ مسلم کو قتل کرنے کے بعد ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو بھی قتل کرنے کا حکم دے دیا، حالانکہ اس سے پہلے وہ ان کی جان بخشی کر چکا تھا۔

امام حسینؑ کی کوفہ کو روانگی

حضرت امام حسینؑ مکہ میں ۳ شعبان ۶۰ھ کو داخل ہوئے تھے۔ شعبان

رمضان، شوال اور ذی قعدہ کے مہینے انھوں نے وہیں گزارے۔
۳۔ ذی الحجہ کو وہاں سے روانہ ہوئے۔ یہ وہی دن تھا جب مسلم بن عقیل نے کوفہ میں خروج کیا تھا۔ مکّہ کے قیام کی مدّت میں اُن کے گرد اہلِ حجاز کثرت سے جمع ہو گئے۔ بصرہ کے کچھ لوگ بھی آکر اُن کے لشکر میں شریک ہو گئے۔ اُن کے اہلِ خاندان اور موالی ان کے علاوہ تھے۔ عراق کو روانگی سے قبل حضرت حسین نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس وقت تک انھیں مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر نہ ملی تھی۔

جب حضرت حسین نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو حضرت ابن عباس نے سخت مخالفت کی، کیونکہ انھیں یقین تھا کہ اہلِ کوفہ یزید کی فوجوں کی تاب نہ لا کر آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ جب حضرت حسین کسی طرح نہ مانے تو انھوں نے کہا: "اگر آپ خروج کرنا ہی چاہتے ہیں تو عراق جانے کی بجائے یمن جائیں۔ وہاں مضبوط قلعے ہیں اور آپ کے والد کے مددگار بھی وہاں کثرت سے ہیں۔"

لیکن حضرت حسین نے عراق ہی جانے پر اصرار کیا اور حضرت ابن عباس کے جواب میں کہا:

"اے میرے برادرِ عم زاد میں جانتا ہوں کہ آپ ناصح شفیق ہیں، لیکن

ہیں نے عراق جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور اس ارادے کو کسی طرح فسخ نہیں کر سکتا۔"

عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب نے بھی انھیں بہت کچھ سمجھایا اور عراق نہ جانے کا مشورہ دیا، لیکن جب حضرت حسینؑ کسی طرح نہ مانے تو انھوں نے اپنے دونوں لڑکوں عونؓ اور محمدؓ کو ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت امام حسینؑ اپنی جماعت کو لے کر کوفہ روانہ ہوئے۔ جب "زرود" پہنچے تو انھوں نے راستے کے ایک طرف ایک نصب شدہ خیمہ دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کس کا خیمہ ہے تو معلوم ہوا زہیر بن القین کا ہے حضرت حسینؑ نے اسے بلایا۔ آپس میں کچھ باتیں ہوئیں، بات چیت کے بعد جب وہ اٹھا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ اس نے اپنا خیمہ اکھاڑ کر حضرت حسینؑ کے خیمے کے قریب نصب کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا:

"تم میں سے جس کی خواہش ہو میرے ساتھ کوفہ چلے لیکن جو شخص وہاں جانے کے لئے تیار نہ ہو اسے اپنے گھر جانے کی اجازت ہے۔"

اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور کہا:

"تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے بعد تمھیں کسی مصیبت کا سامنا ہو۔"

وہ آخر دم تک حضرت امام حسین کے ساتھ رہے اور شہادت حاصل کی۔

حضرت امام حسین کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر "ثعلبیہ" میں بنو اسد کے دو اعرابیوں سے ملی۔ وہ لوگ کوفہ سے آرہے تھے جب حضرت حسین نے ان سے وہاں کے حالات پوچھے تو انھوں نے کہا:

"یا ابن رسول اللہ! لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ لوٹ جائیں۔"

ساتھ ہی انھوں نے مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر دی۔

یہ وحشت انگیز خبر سن کر حضرت امام حسین کے بعض ساتھیوں نے کہا:

"ہم آپ کو اللہ کی قسم دلا کر کہتے ہیں کہ آپ واپس چلیے کیونکہ اب آپ کا کوفہ میں کوئی مددگار نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں تو ڈر ہے کہ اگر آپ وہاں پہنچ گئے تو کہیں وہ آپ کے خلاف تلواریں سونت کر نہ نکل آئیں۔"

لیکن بنو عقیل کو یہ بات کسی طرح منظور نہ تھی۔ انھوں نے کہا خدا کی قسم ہم اس وقت تک نہ ہٹیں گے جب تک مسلم کا انتقام نہ لے لیں گے۔"

حضرت حسین نے کہا: "ان لوگوں کے بعد زندگی کس کام کی ہے۔"

بعض لوگوں کو ابھی تک اہلِ کوفہ کی طرف سے خوش فہمی تھی انھوں نے حضرت حسین سے کہا:

"آپ کا معاملہ مسلم بن عقیل سے مختلف ہے۔ اگر آپ کوفہ جائیں گے تو وہاں کے لوگ کسی کے روکے نہ رک سکیں گے اور بھاگ بھاگ کر آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے۔"

زبالہ کے مقام پر حضرت امام حسین کو محمد بن اشعث اور عمر بن سعید کے بھیجے ہوئے دو قاصد ملے۔ انھوں نے مسلم بن عقیل کا آخری پیغام پہنچایا۔ اور ان کی شہادت اور اہل کوفہ کی بے وفائی کے واقعات تفصیل سے سنائے حضرت امام حسین کو یہ تمام حالات سن کر بہت صدمہ ہوا اور انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے تم میں سے جو واپس جانا چاہے وہ بخوشی واپس چلا جائے۔ ہماری طرف سے کوئی روک نہیں ہے۔"

یہ سن کر لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر جانے لگے اور صرف وہی لوگ باقی رہ گئے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے حضرت حسین سمجھتے تھے کہ بیشتر لوگ محض اس وجہ سے ان کے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں کہ انھیں اہلِ کوفہ کی امداد کا یقین ہے۔ اس لئے انھوں نے مناسب

مناسب سمجھا کہ تمام صورت حال لوگوں کے سامنے واضح کر دیں تاکہ صرف وہی لوگ ان کے ہمراہ چلیں جو سچے دل سے ان کے ہمدرد ہوں اور ان کی خاطر اپنی گردن کٹانا معمولی بات سمجھتے ہوں۔

زبالہ سے روانہ ہو کر حضرت امام حسین بطن عقبہ پہنچے۔ وہاں بنو عکرمہ کا ایک آدمی انھیں ملا اور بتایا کہ ابن زیاد نے قادسیہ سے عذیب تک ناکہ بندی کر دی ہے۔ اور جا بجا دستے متعین کر کے کوفہ کو جانے والا راستہ مسدود کر دیا ہے۔

ابن زیاد کی غرض کوفہ کا راستہ بند کرنے سے یہ تھی کہ امام حسین وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ اسی طرح اہل کوفہ تک بھی امام حسین اور ان کے لشکر کی ہر گرمیوں کی اطلاع نہ پہنچ سکے۔ تاکہیں ان میں دوبارہ حضرت حسین کی مدد کرنے کا جوش و خروش نہ پیدا ہو جائے۔ اس دوران میں اس نے لڑائی کی تیاریاں پورے زور شور سے شروع کر دیں اور لشکر اور ہتھیاروں کی فراہمی میں مشغول ہو گیا۔ دراصل اس کی غرض یہ تھی کہ اہل کوفہ اور دوسرے لوگوں کو خبر ہونے سے پہلے ہی امام حسین اور ان کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابن زیاد امام حسین کے خون کا پیاسا تھا اور ہر قیمت پر انھیں شہید کرنا چاہتا تھا۔

حضرت حسین میدان کربلا میں

ابن زیاد کے مقدمۃ الجیش سے مڈبھیڑ

حضرت حسین کو مکہ سے کوفہ تک کے سفر میں نہایت دشواری پیش آئی۔ تمام راستہ اونچے نیچے ٹیلوں سے بھرپور تھا۔ اور ایک عظیم صحرا میں سے گزرتا تھا جہاں نہ پانی تھا نہ سایہ۔ قیامت کی گرمی اس پر مستزاد تھی۔ عراق کی سرحد پر پہنچ کر مقام شراف میں حضرت امام حسین نے ایک رات بسر کی صبح کو وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ انھیں سامنے سے ایک لشکر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اُسے دیکھ کر حضرت حسین نے پہاڑ کا رُخ کیا اور اس کے دامن میں ڈیرے ڈال دئے۔ یہ لشکر ابن زیاد کا مقدمۃ الجیش تھا اور ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا۔ اس کا سردار حُر بن یزید تھا۔ اس نے بھی

حضرت حسین کے لشکر کے سامنے پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے جب نماز کا وقت آیا تو حضرت حسین نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اے لوگو! میں تمھارے پاس بہ طور خود نہیں آیا بلکہ تمھارے خطوط میرے پاس پہنچے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ ہمارے ہاں آئیے شاید آپ کے ذریعے ہمیں اللہ ہدایت اور حق پر جمع کر دے اگر تمھیں میرا آنا ناپسند ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔"

حر نے یہ سن کر کہا: "ہمیں ان خطوط کا جن کا آپ ذکر کرتے ہیں کچھ علم نہیں"

حضرت حسین نے دو تھیلے منگوائے جو اہل کوفہ کے خطوط سے بھرے پڑے تھے۔ آپ نے انھیں حر اور اس کے ساتھیوں کے سامنے بکھیر دیا۔ اور فرمایا:

"انھیں پڑھ لو۔"

حر نے کہا:

"جو لوگ آپ کے سامنے ہیں ان میں سے کسی نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔ ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دیں۔"

حضرت حسین نے جواب دیا:

"یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم مر جائیں گے مگر تمھاری حراست میں آنا گوارا نہیں کرینگے"

یہ کہہ کر آپ نے اپنے ساتھیوں کو سوار ہونے اور حجاز کی جانب رُخ کا

حکم دیا۔ لیکن حُر نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا۔

اسی اثناء میں حُر کے پاس ابن زیاد کا خط آیا جس میں اسے حضرت حسین کے لشکر کی سخت نگرانی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور یہ ہدایت بھی درج تھی کہ وہ کسی قلعے یا ندی نالہ کے پاس اترنے نہ پائیں۔ حضرت حسین نے اپنا سفر جاری رکھا۔ حُر بھی لشکر لئے اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ ۲ محرم ۶۰ھ کو جمعرات کے روز آپ کربلا پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔

ابن زیاد کا لشکر حضرت حسین کے کربلا پہنچنے کے دوسرے روز عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ سے چار ہزار فوج لے کر وہاں پہنچ گیا اسے ابن زیاد نے حضرت حسین سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

عمر کے پہنچنے پر حضرت حسین اور اس کے درمیان کچھ مراسلت ہوئی جس میں حضرت حسین نے اپنی یہ پیش کش دہرائی کہ اگر کوفہ والوں کو میرا آنا ناپسند ہے تو میں مکّہ واپس جاتا ہوں۔ عمر نے ابن زیاد کو اس کی اطلاع دی۔ ابن زیاد نے جواب میں لکھا کہ حسین کو یزید کی بعیت کی دعوت دو۔ اگر وہ بعیت کر لیں تب ہم دیکھیں گے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اور اگر بعیت کرنے سے انکار کر دیں تب ان سے جنگ کرو۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھو کہ وہ اور ان کے ساتھی پانی کے پاس نہ پہنچنے پائیں۔ عمر نے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں حضرت حسین کو دریائے فرات کا پانی لینے سے روکنا چاہا۔

لیکن وہ تمام ہتھیاروں کی مدد سے راستہ بنا کر دریا پر پہنچ گئے اور پانی لے کر واپس آگئے۔ رات کے وقت حضرت حسین اور عمر بن سعد ایک خیمہ میں جمع ہوئے۔ اور مصالحت کی بات چیت شروع ہوئی۔ حضرت حسین نے جو شرائط پیش کیں عمر ان سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے ابن زیاد کو ایک اور خط لکھا:

"اللہ تعالیٰ نے بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور باہمی اتفاق کی صورت پیدا کر دی ہے۔ حسین نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تین باتوں میں سے ایک بات قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہاں ہی واپس چلے جائیں۔ دوم یہ کہ وہ سرحدوں پر جا کر جہاد میں مشغول ہو جائیں۔ سوم یہ کہ وہ یزید کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔ میرے خیال میں یہ باتیں بہت مناسب ہیں اور ان میں امت کی بھلائی ہے لہٰذا انھیں قبول کر لینا چاہیئے۔"

راویوں کا بیان ہے کہ ابن زیاد کو یہ پڑھ کر خوشی ہوئی اور اس نے امام حسین کی پیش کردہ صورتیں قبول کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن شمر بن ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا کہ جب تک حسین غیر مشروط طور پر ہتھیار نہ ڈالیں اس وقت تک انھیں نہ چھوڑا جائے۔ ابن زیاد نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور عمر بن سعد کو لکھا کہ وہ حسین اور ان کے ساتھیوں سے غیر مشروط طور پر اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ اس مطالبہ

کو قبول کریں تو انھیں بہ حفاظت تمام میرے پاس بھیج دو لیکن اگر انکار کریں تو ان سے جنگ کرو۔ لڑائی پر برانگیختہ کرنے کے لئے اس نے یہ بھی لکھا کہ اگر تم جنگ کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو تب تو بہ دستور لشکر کے قائد رہو ورنہ لشکر کی کمان شمر بن ذی الجوشن کو دے کر الگ ہو جاؤ۔"

ابن زیاد کا یہ خط لے کر خود شمر بن ذی الجوشن عمر بن سعد کے پاس پہنچا عمر نے چند لوگوں کو حضرت حسین کے پاس بھیجا جنھوں نے ابن زیاد کا پیغام آپ تک پہنچایا حضرت حسین نے جواب دینے کے لئے ایک رات کی مہلت مانگی۔ رات کے وقت انھوں نے اپنے ساتھیوں کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"میں نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار ساتھی اور اپنے اہلبیت سے زیادہ بہتر صلہ رحمی کرنے والے اہلبیت اور کہیں نہیں دیکھے۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو بہترین اجر سے نوازے۔ ان لوگوں کا مقصد صرف مجھے قتل کرنا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کو میرے ساتھ کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ لہٰذا میں تمھیں بہ خوشی اپنے سے علیحدگی کی اجازت دیتا ہوں جب رات چھا جائے تو تم لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اور اپنی جانیں بچاؤ۔"

یہ سن کر حضرت امام حسین کے بھائیوں، بھتیجوں اور عبد اللہ بن جعفر نے یک زبان ہو کر جواب دیا:

"ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ ذلت نہ دکھائے۔"

مسلم بن عوسجہ نے اٹھ کر کہا:

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اللہ کے حضور آپ کے حقوق کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے کی عذر خواہی کریں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا جب تک آپ کے دشمنوں کے سینوں میں اپنا نیزہ نہ اتار دوں اور تلوار سے ان کے سر قلم نہ کر دوں۔ اگر میرے ہتھیار ٹوٹ جائیں گے تو میں پتھروں سے ان کا مقابلہ کروں گا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں مجھے موت آجائے۔"

آپ کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اسی قسم کی جاں نثارانہ تقریریں کیں۔ حضرت حسین کے بیٹے علی اس رات بیمار تھے اور ان کی پھوپھی زینب ان کی تیمارداری کر رہی تھیں۔ انھوں نے سنا کہ قریب کے خیمے میں امام [illegible] یہ شعر پڑھ رہے ہیں:

یا دھر اف لک من خلیل

کم لک بالاشراق والاصیل

من صاحب او طالب قتیل

والدھر لا یقنع بالبدیل
وانما الامر الی الجلیل
وکل حی سالک سبیل

(اے زمانہ! تجھ پر افسوس۔ تو کیا ہی بے وفا دوست ہے۔ صبح اور شام تیرے ہاتھوں کتنے لوگ مارے جاتے ہیں۔ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا اور کسی سے کوئی عوض قبول نہیں کرتا۔ اب سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔

یہ اشعار انھوں نے دو تین بار دہرائے۔ یہ سن کر علی بن الحسین کو اپنے والد کے عزم وارادے کا پتا لگ گیا لیکن وہ بالکل خاموش رہے۔ زینب نے بھی یہ اشعار سنے لیکن وہ ضبط نہ کر سکیں اور بے تاب ہو کر بھائی کے خیمے میں آ کر کہنے لگیں:

"کاش مجھے آج ہی موت آ جاتی ـــــ میری والدہ فاطمہ میرے والد علی میرے بھائی حسن اس سے پہلے مجھے داغ مفارقت دے چکے ہیں، اب آپ بھی مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں"

حضرت حسین نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا "بہن اپنے وقار کو شیطان کے حوالے نہ کرو"

لیکن انھیں صبر نہ آیا اور کہنے لگیں:۔

"کیا آپ اپنے آپ کو مجھ سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں، یہ بات میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کئے دے رہی ہے"

یہ کہتے ہی وہ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔

حضرت حسین نے ان کے چہرے پر پانی ڈالا، جب وہ ہوش میں آئیں تو آپ نے فرمایا:

"بہن! میں تمھیں خدا کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو تم اپنا گریبان چاک نہ کرنا، منہ زخمی نہ کرنا اور بین نہ کرنا"

اس کے بعد باہر آئے اور اپنے ساتھیوں کو کہا کہ وہ اپنے خیمے ایک دوسرے سے اتنے نزدیک کریں کہ ان کی طنابیں ایک دوسرے سے مل جائیں اور دشمن کے مقابلے میں اس طرح صف بنا کر کھڑے ہو جائیں کہ تمام خیمے ان کے دائیں بائیں اور پیچھے ہوں۔

یہ ہدایت دے کر وہ اپنے خیمے میں واپس چلے گئے عبادت و استغفار میں مشغول ہو گئے۔ ان کے ساتھی بھی دعا و استغفار میں محو ہو گئے۔ دشمن کے سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو کر رات بھر ان کے خیموں کے گرد چکر لگاتے رہے تاکہ کوئی شخص بھاگ کر نہ نکل سکے۔

جنگ کا آغاز

حضرت امام حسین کی تقریر

۱۰ محرم کا دن خون آلود افق کے ساتھ نمودار ہوا۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت امام حسین نے اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ آپ کے ساتھ کل بتیس سوار اور چالیس پیدل افراد تھے۔ آپ نے زہیر بن القین کو میمنہ اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر مقرر کیا۔ جھنڈا اپنے بھائی عباس کو دیا۔ صفوں کی ترتیب اس طرح رکھی

لشکرِ حسینی

گویا تمام خیمے فوج کی پشت پر تھے ۔ انھیں اور زیادہ محفوظ بنانے کے لئے آپ نے حکم دیا کہ پچھلی طرف چند گڑھوں میں جو خندق کے مشابہ ہے آگ جلادی جائے تاکہ پیچھے سے کوئی شخص آکر حملہ آور نہ ہوسکے ۔

عمر بن سعد نے اپنی فوج کے میمنہ پر عمرو بن حجاج الزبیدی کو، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو، سواروں پر عروہ بن قیس کو اور پیدل افراد پر شیث بن ربعی کو مقرر کیا تھا۔ جھنڈا اپنے غلام ورید کو دیا تھا۔

صف بندی کے بعد حضرت حسین نے دشمن کے سامنے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی :

"اے لوگو میری بات سنو اور جلد بازی سے کام نہ لو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھیں اپنے آنے کی وجہ بتادوں اور تمھیں سمجھانے کا جو حق ہے وہ ادا کردوں ۔ اگر تم میرا عذر قبول کرلو گے اور میرے ساتھ انصاف کرو گے تو تم انتہائی خوش قسمت ہو گے لیکن اگر تم اس کے لئے تیار نہ ہو گے تو تمھیں خدا کے آگے جواب دہی کرنی پڑے گی۔ تم اور تمھارے شریک سب مل کر میرے خلاف اپنا زور لگالو اور میرے ساتھ جو کرنا ہے کر ڈالو۔ اللہ میرا کارساز ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے ۔"

جب آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے یہ تقریر سنی تو رنج والم کی وجہ سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ حضرت حسین نے اپنے بھائی عباس اور بیٹے علی کو انھیں خاموش کرانے کے

لے بھیجا اور اپنے دل میں کہا: "ابھی تو انھیں بہت رونا ہے۔" جب وہ خاموش ہو گئیں تو حضرت حسین نے پھر تقریر شروع کی اور فرمایا:
"میرے حسب و نسب کو یاد کرو اور سوچو کہ میں کون ہوں پھر اپنے دلوں کو ٹٹولو اور انھیں ملامت کرو۔ تم غور تو کرو کہ کیا تمھارے لئے میرا خون بہانا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبی کا نواسا اور ان کے برادر عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا میرے والد اللہ کے رسول کے پہلے مصدّق اور ان پر سب سے پہلے ایمان لانے والے نہیں تھے۔ کیا سید الشہدا حمزہ میرے والد کے چچا نہیں تھے۔ کیا جعفر طیّار میرے چچا نہیں تھے؟ کیا تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا علم نہیں ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ یہ دونوں نوجوانان جنّت کے سردار ہیں۔ اگر میرا یہ بیان سچّا ہے اور ضرور سچّا ہے کیونکہ جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والوں پر ناراض ہوتا ہے اس وقت سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو کیا بتاؤ تمھیں ننگی تلوار دل سے میرا مقابلہ کرنا روا ہے اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو آج بھی تم میں وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے میرے متعلق رسول اللہؐ کی یہ حدیث سنی ہے تم ان سے دریافت کر سکتے ہو تم مجھے جواب دو کہ کیا حضورؐ کی اس حدیث کی موجودگی میں بھی تم میرا خون بہانے سے باز نہیں رہ سکتے۔" حضرت حسین کے بعض ساتھیوں نے بھی اسی قسم کی تقریریں کیں

لیکن شمر بن ذی الجوشن اور زیاد کے بھیجے ہوئے بعض لوگ حضرت حسین سے ہر حال میں جنگ کرنے پر تلے ہوئے تھے حضرت حسین نے انھیں یہ پیش کش بھی کی کہ تم مجھے یزید کے پاس دمشق لے چلو میں خود اس سے اپنا معاملہ طے کر لوں گا۔ لیکن انھوں نے اس پیش کش کو بھی رد کر دیا اور آپ سے غیر مشروط طور پر اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ اپنے ساتھیوں کا یہ سنگدلانہ رویہ دیکھ کر حر بن یزید کے دل پر چوٹ لگی۔ حالانکہ یہی شخص تھا جس نے حضرت امام حسین کو حراست میں لے کر انھیں مکہ واپس جانے سے روک دیا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور حضرت حسین کے پاس پہنچ کر کہنے لگا:

"اے ابن رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے میں وہ بدنصیب شخص ہوں جس نے آپ کو جانے سے روک دیا۔ اب میں اللہ تعالیٰ کے حضور تائب ہونے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں اور میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس وقت تک آپ کی حفاظت کے لئے لڑوں گا جب تک میرا عضو عضو نہ کٹ جائے اور میں اپنے رب کے حضور حاضر نہ ہو جاؤں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو جائے گی؟

حضرت حسین نے جواب دیا:

"یقیناً اللہ تعالیٰ تمھاری توبہ قبول فرمائے گا اور تمھیں بخشش سے نوازے گا۔"

لڑائی کا آغاز

لڑائی شروع ہونے پر سب سے پہلے عمر بن سعد لشکر کے علم بردار درید کے ساتھ آگے بڑھا اور ترکش سے تیر نکال کر حضرت امام حسین کی فوج پر چلایا اور پکار کر کہا:

"لوگو! آگاہ رہو کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔"

اس کے بعد عمر بن سعد کی فوج سے زیاد بن سمیہ کے غلام "یسار" نے باہر نکل کر مبارز طلبی کی۔ حضرت حسین کی فوج سے عبداللہ بن عمیر الکلبی نکلے یہ کوفہ سے آکر حضرت حسین کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھیں۔ انھوں نے حملہ کر کے یسار کو قتل کر دیا۔ اس پر ابن زیاد کا ایک اور غلام سالم آگے آیا اور جھپٹ کر عبداللہ بن عمیر پر حملہ کیا۔ انھوں نے اسے بائیں ہاتھ پر روکا جس سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے سالم کو قتل کر ہی دیا۔ یہ دیکھ کر ان کی بیوی خیمے کی ایک چوب لے کر ان کے پاس آئیں اور کہا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ آل محمد کی طرف سے لڑتے رہیں۔"

ابن عمیر نے بیوی کو واپس خیمے میں بھیجنا چاہا لیکن اس نے انکار کیا اور کہا:

"میں اس وقت تک آپ کے پاس سے نہ ہٹوں گی جب تک آپ ہی کے ساتھ جان نہ دے دوں گی۔"

لیکن حضرت حسین نے یہ کہہ کر اسے خیمے میں واپس کر دیا کہ خدا تعالیٰ تمھیں میرے اہل بیت کی طرف سے بہتر جزا دے۔ تم واپس چلی جاؤ کیونکہ عورتوں پر لڑنا فرض نہیں ہے۔"

اس کے بعد عمرو بن الحجاج نے جو عمر بن سعد کے میمنہ پر متعین تھا حضرت حسین کے میمنہ پر حملہ کیا۔ جب وہ قریب پہنچا تو حضرت حسین کے ساتھی زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ اور نیزے سیدھے کر دئے۔ گھوڑے ان نیزوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے۔ حضرت حسین کے ساتھیوں نے ان پر تیر چلانے شروع کر دئیے اور کئی آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابن سعد کے لشکر میں سے ایک شخص عبداللہ بن حوزہ نکل کر حضرت حسین کے لشکر کی طرف آیا اور پکار کر کہا: "کیا تم میں حسین موجود ہیں؟" لیکن کسی نے انھیں جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ پھر یہی سوال دُہرایا۔ تب بھی کوئی نہ بولا۔ جب تیسری بار پوچھا تو آپ کے ساتھیوں نے کہا: "ہاں ہیں۔ لیکن تم ان سے کیا چاہتے ہو؟"

ابن حوزہ نے کہا: "اے حسین میں تم کو دوزخ کی خوشخبری دیتا ہوں۔"

حضرت حسین نے جواب دیا: "تم جھوٹ بولتے ہو میں رحیم و کریم اور شفیع و

مطاع رب کے پاس جاؤں گا۔ تم ہو کون؟"

اس نے کہا "ابن حوزہ"

حضرت حسین نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا:

"اے اللہ اسے دوزخ میں داخل کر"

یہ سن کر ابن حوزہ غصے سے بیتاب ہو گیا۔ اسی دوران میں اس کا گھوڑا بدک گیا۔ اس کا بایاں پاؤں رکاب میں اٹک گیا اور وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سے گر پڑا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا جا رہا تھا اور ابن حوزہ کا سر پتھروں اور درختوں سے ٹکرا رہا تھا۔ اسی حالت میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

مبارزت

عمر بن سعد کے لشکر کے کئی لوگ مبارزت کے لئے نکلے لیکن سب حضرت حسین کے آدمیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ حر بن یزید اور دیگر اصحاب حسین نے جواں مردی کے خوب جوہر دکھائے اور انفرادی مقابلوں میں دشمن پر ہر لحاظ سے بھاری رہے۔ وہ موت کے خواہش مند تھے لیکن موت ان سے پہلو بچا رہی تھی۔ ان کے دشمن مال و دولت کی خاطر لڑ رہے تھے اس لئے ان میں بہادری کا حقیقی جذبہ مفقود تھا۔

جب ابن سعد کی فوج کئی آدمیوں کا نقصان اٹھا چکی تو عمر بن الحجاج نے پکار کر کہا کہ انفرادی مقابلے بند کر دئے جائیں اور عام حملہ شروع کیا

کیا جائے۔ خود عمر بن حجاج نے دریائے فرات کی جانب سے حضرت امام حسین کی فوج پر حملہ کیا۔ اس حملے میں سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ الاسدی نے شہادت کا شرف حاصل کیا۔ جب غبار چھنٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ مسلم زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت حسین اپنا گھوڑا بڑھا کر ان کی طرف بڑھے۔ ابھی ان میں تھوڑی سی جان باقی تھی۔ حضرت حسین نے ان سے کہا:

"اے ابن عوسجہ! اللہ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔"

حبیب ابن مظاہر نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ اگر آپ کچھ وصیت کرنا چاہیں تو فرمائیں۔ انھوں نے حضرت حسین کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ تم مرتے مرتے مگر کوئی گزند انھیں نہ پہنچنے دینا۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حضرت حسین کے ساتھی بڑی جوانمردی سے لڑے۔ ان میں سے جو آدمی فریق مخالف میں سے جس شخص کو دعوت مبارزت دیتا تھا اسے قتل کر کے چھوڑتا تھا۔ اور جس صف پر حملہ کرتا تھا اسے تتر بتر کر دیتا تھا۔ یزید بن زیاد کندی گھٹنوں کے بل حضرت حسین کے سامنے بیٹھ گیا اور دشمنوں پر تیر چلانے شروع کیے۔ سو تیر چلائے جن میں سے صرف پانچ خطا گئے۔ جب وہ تیر چلاتا تو حضرت حسین کہتے:

"اے اللہ اس کے تیروں کو نشانہ پر بٹھا اور اس کے بدلے اسے جنت عطا فرما"

یزید پہلے عمر بن سعد کی فوج میں شامل تھا لیکن جب عمر نے حضرت امام حسین کی پیش کردہ شرائط رد کر دیں تو یہ حضرت حسین کی فوج میں چلا آیا۔ اور آپ کے ساتھ لڑتا لڑتا شہید ہو گیا۔

اصحاب حسین کی شاندار مدافعت کو دیکھ کر شمر بن ذی الجوشن نے عمر کے میسرہ کو ساتھ لے کر چہار اطراف سے فریق مخالف پر حملہ کر دیا۔ لیکن انھوں نے ثابت قدمی اور شجاعت کا شاندار مظاہرہ کیا اور حضرت حسین کی حفاظت میں جان توڑ کر لڑے کلبی نے پہلے دو آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد دو اور آدمیوں کو قتل کیا۔ اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت حسین کے آدمی دشمنوں پر زوردار حملے کر رہے تھے۔ لشکر میں سواروں کی تعداد صرف ۳۲ تھی۔ لیکن یہ ۳۲ سوار جس طرف کا رُخ کرتے تھے کائی سی پھٹ جاتی تھی۔ جب عروہ بن قیس نے یہ ماجرا دیکھا تو اس نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا کہ ان گنتی کے چند سواروں نے ہمارا بُرا حال کر دیا ہے۔ ہماری امداد کے لئے کچھ پیادے اور تیر انداز بھیجو۔

عمر بن سعد نے حصین بن نمیر کی سرکردگی میں پانچ سو تیر اندازوں کا ایک

دستہ اس کی مدد کے لئے بھیجا۔ حصین نے میدان میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو تیر چلانے کا حکم دیا۔ جس سے حسینی فوج کے گھوڑے زخمی ہو گئے۔ اور مجبوراً سواروں کو گھوڑوں سے اترنا پڑا۔ حُر بن یزید کا گھوڑا بھی زخمی ہو گیا۔ وہ بھی اتر پڑا اور تلوار لے کر دشمنوں کی صف میں گھس گیا۔ دشمن چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے نرغے میں لے کر شہید کر دیا۔

حضرت حسین کے ساتھی اسی طرح بے جگری سے لڑتے رہے دوپہر ہو گئی، مگر جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت حسین نے خیموں کی ترتیب اس طرح رکھی ہوئی تھی کہ دشمن آپ کی فوج پر صرف سامنے سے حملہ کر سکتا تھا۔ آخر اس نے بعض آدمیوں کو یہ حکم دیا کہ حسین کی فوج کے دائیں بائیں جو خیمے ہیں انھیں گرا دیا جائے تاکہ بہ آسانی پیچھے کی طرف سے حملہ کیا جا سکے۔ لیکن حضرت حسین نے اس ارادہ کو بھانپ کر چار پانچ آدمی ان خیموں میں چھپا دیئے۔ جو آدمی آگے آنے کی کوشش کرتا یہ لوگ اسے تیر مار کر ہلاک کر دیتے یا تلوار سے قتل کر ڈالتے۔ آخر عمر بن سعد نے خیموں کو آگ لگوا دی۔

اسی دوران میں عبداللہ بن عمیر الکلبی بھی شہید ہو چکے تھے۔ اُن کی بیوی ان کی نعش کے پاس پہنچیں ان کے چہرے سے مٹی پونچھی اور

اور کہا "تمھیں جنت میں پہنچنا مبارک ہو" شمر نے جب یہ دیکھا تو اس نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ اس عورت کو قتل کر ڈالو۔ چنانچہ اس نے ایک خیمہ کی چوب سے اس کا سر کچل دیا۔

شمر بن ذی الجوشن ایک زوردار حملہ کر کے حضرت حسین کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ اور بلند آواز سے کہنے لگا "آگ لاؤ میں اس خیمے کو جلادوں" عورتیں شمر کی آواز سن کر باہر نکل آئیں شبث بن ربعی نے اسے منع کیا۔ اس کے جانے کے بعد زہیر بن القین نے دس آدمیوں کے ہمراہ ان لوگوں پر حملہ کیا جو خیموں کو جلانے میں مصروف تھے۔

اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آگیا اور حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں نے میدانِ جنگ میں ہی نمازِ خوف ادا کی۔ نماز کے بعد زہیر بن القین نے چند لوگوں کے ہمراہ ایک بار پھر حملہ کیا لیکن یزیدی فوج نے انھیں گھیرے میں لے کر شہید کر دیا۔

شمر کے لوگوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا اور حضرت حسین کے بہت سے آدمی شہید ہو چکے تھے۔ آخر جب انھوں نے دیکھا کہ وہ حضرت حسین کو کسی طرح دشمن سے نہیں بچا سکتے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ قبل اس کے کہ دشمن ہمارے امام تک پہنچے ہم اپنی جانیں اس پر قربان کر دیں۔ چنانچہ وہ حضرت حسین کے آگے کھڑے ہو گئے اور

ایک ایک کر کے کوفی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

حضرت امام حسین کے ساتھیوں میں شہید ہونے والے آخری شخص سوید بن عمرو تھے۔

ان کے بعد حضرت امام حسین کے گرد اُن کے چند اہل بیت کے علاوہ کوئی اور شخص نہ رہا۔

شہادتِ حسینؑ

آلِ ہاشم کی شہادت

دن کا نصف سے زیادہ حصہ گزر چکا تھا حضرت حسین کے مددگار آپ کی مدافعت کا فرض ادا کرتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو چکے تھے۔ اگرچہ انھیں معلوم تھا کہ حسین بھی شہید ہوتے سے نہیں بچ سکتے لیکن انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ ان کی زندگی میں حضرت حسین کو کسی قسم کا کوئی گزند پہنچے۔ اس لئے انھوں نے ہنسی خوشی اپنی جانیں ان کی راہ میں قربان کر دیں۔

جب اصحاب حسین شہید ہو چکے تو بنو ہاشم میدانِ جنگ میں نکل آئے علی الاکبر بن الحسین بہت خوبرو نوجوان تھے۔ ابھی انھوں نے

عمر کی صرف انیس بہاریں دیکھی تھیں۔ سب سے پہلے وہ دشمن کے مقابلے کے لئے نکلے اور اس شدت سے حملہ کیا کہ دشمن کو پیچھے ہی ہٹتے بن پڑی لیکن کب تک لڑتے؟ کچھ دیر تک دشمن کا بے جگری سے مقابلہ کرتے رہنے کے بعد شہید ہو گئے۔ جب حضرت حسین نے انھیں زمین پر گرتے دیکھا تو فرمایا:

"اے بیٹے جن لوگوں نے تجھے قتل کیا اللہ انھیں قتل کرے ان لوگوں کو مجھ سے لڑنے کی جرأت اس لئے ہوئی کہ ان کے دلوں سے رسول ؐ کا عزت و احترام رخصت ہو چکا ہے تیرے بعد زندگی کا کیا مزا۔"

اس کے بعد وہ بیٹے کی لاش پر آئے اور اس کے بھائیوں کی مدد سے اسے اٹھا کر اپنے خیمے کے سامنے لے جا کر رکھ دیا۔ ان کی بہن زینب بے قرار ہو کر خیمے سے باہر آئیں اور "ہائے بھتیجے" کہہ کر اس کی لاش پر گر پڑیں۔ حضرت حسین نے انھیں اٹھایا اور زبردستی خیمے میں واپس بھیجا۔ بنو ابو طالب میں سے علی اکبر پہلے شخص تھے جنھیں جنگ کربلا میں شہادت کا رتبہ حاصل ہوا۔

اس کے بعد بنو ہاشم ایک ایک کر کے شہید ہوتے گئے۔ عبداللہ بن مسلم بن عقیل شہید ہوئے۔ عون بن عبداللہ بن جعفر شہید ہوئے۔ محمد

بن عبداللہ بن جعفر شہید ہوئے۔ عبدالرحمن بن عقیل بن ابی طالب شہید ہوئے۔ جعفر بن عقیل شہید ہوئے۔

ان کے بعد قاسم بن حسن ابن علی تلوار ہاتھ میں لئے نکلے۔ وہ ابھی بچے ہی تھے اور ان کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا تھا۔ عمرو بن سعد نے ان پر حملہ کر کے ان کا سر کاٹ ڈالا۔ اور وہ "ہائے چچا" کہہ کر زمین پر گر پڑے۔

حضرت حسین قاسم کی آواز سن کر باز کی طرح جھپٹے اور عمرو پر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اس کی کلائی بازو سے علیحدہ ہو کر الگ جا پڑی۔

کوفی سوار عمرو بن سعد کی مدد کے لئے آگے بڑھے لیکن بجائے اس کے کہ اسے بچاتے گھبراہٹ میں اسے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچل ڈالا اور وہ وہیں مر گیا۔

جب غبار چھٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت حسین قاسم کی لاش کے سرہانے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔

"اس قوم کے لئے ہلاکت ہو جس نے تجھے قتل کیا۔ قیامت کے دن جو شخص ان سے محاسبہ کرے گا وہ تیرا دادا ہوگا"

پھر اسے اٹھایا اور اسے بیٹے علی اور دیگر اہل بیت کی لاشوں کے ساتھ لٹا دیا۔

اس کے بعد حضرت حسین اپنے خیمے کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کا بیٹا عبداللہ

آیا۔ وہ ابھی بچہ ہی تھا۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ بنو اسد کے ایک شخص نے بچے کے ایسا تیر مارا کہ وہ فوراً مر گیا۔ حضرت حسین نے اس کے خون سے ایک چلو بھرا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد اسے اٹھا کر اپنے دیگر اہل بیت کی لاشوں کے ساتھ رکھ دیا۔

جب عباس بن علی نے دیکھا کہ شہیدوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے تو انھوں نے اپنے بھائیوں عبداللہ جعفر اور عثمان سے آگے بڑھنے کو کہا پہلے عبداللہ آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ پھر جعفر بن علی آگے بڑھے وہ بھی شہید ہو گئے۔ ان کے بعد عثمان بن علی بڑھے وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ انھیں بنو ابان بن دارم کے ایک شخص نے شہید کیا تھا۔ محمد بن علی بن ابی طالب کو بھی بنی ابان کے ایک شخص نے تیر مار کر شہید کر دیا تھا۔

پیاس

حضرت حسین کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ وہ پانی پینے کے لئے دریائے فرات کی جانب بڑھے۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی عباس بھی تھے لیکن ابن سعد کے چند سواروں نے جن میں حصین بن نمیر بھی شامل تھا ان کا راستہ روک لیا۔ حصین بن نمیر نے حضرت حسین کے تیر مارا جو اُن کے منہ میں لگا۔ آپ نے اسے کھینچ کر زمین پر پھینکا۔ زخم سے فوراً خون جاری ہو گیا اور آپ کی ہتھیلی خون

سے بھر گئی۔ آپ نے وہ خون آسمان کی طرف پھینک دیا۔

اس کے بعد حضرت حسین واپس آ گئے۔ پیاس سے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ لوگوں نے عباس کے گرد گھیرا ڈال لیا اور انھیں حضرت حسین سے علیحدہ کر دیا۔ عباس نے ان سے اکیلے ہی لڑنا شروع کیا لیکن کب تک مقابلہ کرتے، آخر کار زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے اور تھوڑی دیر میں ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

جب حضرت حسین اپنے خیمے کی طرف واپس آ گئے تو شمر بن ذی الجوشن چند لوگوں کے ہمراہ آگے بڑھا اور انھیں حضرت حسین کو قتل کرنے پر برانگیختہ کرنے لگا۔ قبل اس کے کہ وہ حضرت حسین پر حملہ کرتے حضرت حسین نے ان پر حملہ کر کے انھیں پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر اکٹھے ہو گئے اور آپ کا محاصرہ کر لیا۔ کندہ کے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر آپ کے سر پر تلوار ماری جو آپ کی ٹوپی کاٹتی ہوئی پیشانی تک چلی گئی۔ سر زخمی ہو گیا اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ آپ نے ٹوپی اتار دی اور سر پر ایک پٹی باندھ کر دوسری ٹوپی پہن لی اور اس پر عمامہ باندھ لیا۔

اسی دوران میں عبد اللہ بن حسن بن علی جو ابھی بچے ہی تھے آگے بڑھ کر اپنے چچا کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ حر بن کعب نے اپنی تلوار حضرت حسین کی طرف بڑھائی۔ بچے نے کہا:

"اے خبیث ماں کے بچے! میرے چچا کو قتل کرے گا؟"

یہ سن کر ابن کعب نے بچے پر تلوار چلائی۔ بچے نے اس کا وار اپنے ہاتھ پر روکا جس سے ہاتھ کٹ گیا۔ بچہ تکلیف سے بے قرار ہو کر چیخنے لگا۔ حضرت حسین نے اسے گلے سے لگایا اور فرمایا:

"اے میرے بھتیجے! اس مصیبت پر جو تجھ پر پڑی صبر کر۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے پاک و مطہر آباؤ اجداد تک پہنچا دے گا۔

اس کے بعد آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا:

"اے اللہ! ان لوگوں سے بارش کے قطروں کو روک لے اور زمین کی برکتوں کو ان پر حرام کر دے۔ اے اللہ! اگر تو انھیں کچھ دنوں کی اور مہلت دے تو ان میں پھوٹ ڈال دے اور انھیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ کر دے کیونکہ ان لوگوں نے ہمیں بلایا اور ہماری مدد کا وعدہ کیا۔ لیکن جب ہم آ گئے تو ہماری مدد کرنے کی بجائے ہمارے خلاف میدان جنگ میں کود پڑے اور ہمیں قتل کر دیا۔"

حضرت حسین کی شہادت

حضرت حسین کے ساتھ اب صرف تین چار آدمی رہ گئے تھے۔ جلد ہی ان کی بھی باری آ گئی اور حضرت حسین اکیلے میدان میں رہ گئے۔ ان کا سر اور بدن زخموں سے چور ہو چکا تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی جب وہ تلوار

چلاتے تھے تو کسی شخص کی مجال نہ ہوتی تھی کہ سامنے کھڑا رہ سکے۔ اس دوران میں حضرت زینبؑ خیمے سے باہر نکلیں۔ اس وقت صرف حضرت حسین میدانِ جنگ میں باقی تھے۔ باقی سب لوگ شہید ہو چکے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ کہنے لگیں۔

"کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا"۔

اس کے بعد عمر بن سعد کی طرف نظر اٹھائی اور کہا:

"اے عمر! کیا ابو عبداللہ تیرے سامنے قتل ہو جائیں گے؟"

عمر کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں یہاں تک کہ آنسو گر کر اس کے رخساروں اور داڑھی کو تر کرنے لگے۔ اس نے اپنا منہ پھیر لیا۔

حضرت حسین بدستور جوش و خروش اور بہادری سے لڑ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے:

"کیا تم لوگ میرے قتل پر مجتمع ہو گئے ہو؟ خدا کی قسم! تم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو گے جس کے قتل پر اللہ تعالیٰ اتنا ناراض ہو گا جتنا میرے قتل پر۔ خدا کی قسم! مجھے پورا وثوق ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عزت دے گا اور تمھیں ذلت و خواری نصیب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ تم سے ایسے طریقوں سے انتقام لے گا جن کا تم تصور بھی نہ کر سکو گے"۔

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اگر دشمن چاہتا تو بہت پہلے آپ کو قتل کر چکا

ہوتا لیکن ہر شخص اس سے بچنا چاہتا تھا۔ جب شمر بن ذی الجوشن نے یہ دیکھا تو پیدل فوج کے پیچھے سوار لا کر کھڑے کر دیئے اور تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلائیں۔ ساتھ ہی چلا کر کہا:

"تمھارا برا ہو۔ تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟ حسین کو قتل کیوں نہیں کر چکتے۔"

چنانچہ لوگوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں بازو پر تلوار ماری اور اُسے کاٹ ڈالا۔ دوسرے شخص نے آپ کے کندھے پر تلوار چلائی۔ آپ لڑکھڑائے، لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن سنان بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر آپ کے نیزہ مارا۔ اور آپ زمین پر گر پڑے۔ خولی بن یزید الاصبحی آپ کا سر کاٹنے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن اس کا ہاتھ کانپ گیا۔ یہ دیکھ کر سنان نے کہا:

"اللہ تیرے اعضاء کو شل کرے۔"

یہ کہہ کر خود گھوڑے سے اترا۔ اور آپ کا سر کاٹ کر خولی کے حوالے کر گیا۔

"مفید میں لکھا ہے کہ سر کاٹنے والا خود شمر تھا۔ اس نے آپ کو ذبح کر کے سر خولی بن یزید کے حوالے کیا تھا۔ ذبح کرنے کے بعد کوفیوں نے حضرت حسین کے بدن سے کپڑے تک

اتار لئے اور لاش کو اسی طرح چھوڑ کر لوٹ مار کرنے کے لئے عورتوں کے خیموں کی طرف بڑھے۔ شہادت کے بعد جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے بدن پر تیروں کے زخموں کے علاوہ نیزوں کے تینتیس اور تلوار کے چونتیس زخم تھے۔

حضرت حسین کے ساتھیوں میں سے سوید بن ابی المطاع ابھی تک زندہ تھے۔ اور مقتولوں کے درمیان پڑے سسک رہے تھے جب انھوں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ حسین قتل کر دیئے گئے تو وہ اسی حالت میں اٹھے اور قریب پڑی ہوئی ایک چھری لے کر دشمنوں کی جانب بڑھے لیکن دشمنوں نے فوراً تلوار سے ان کا کام تمام کر دیا۔ حضرت حسین کے ساتھیوں میں وہ آخری شہید تھے۔

لوٹ مار کے بعد کوفی علی بن الحسین زین العابدین کی طرف بڑھے جو سخت بیمار تھے اور زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ شمر نے انھیں بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن حمید بن مسلم نے اسے روکا اور کہا:

"سبحان اللہ! کیا بچوں کو بھی قتل کر دو گے؟"

شمر کے دوسرے ساتھیوں نے بھی اُسے لعنت ملامت کی۔ اور زین العابدین کو قتل کرنے سے روکا۔

اسی اثنا میں عمر بن سعد وہاں آ گیا۔ اس نے عورتوں کی حفاظت کا

انتظام کیا اور چند آدمیوں کو خیموں پر متعین کر دیا تاکہ کوئی شخص مستورات اور علی بن الحسین سے بدسلوکی نہ کرنے پائے۔ اس کے بعد وہ میدانِ جنگ میں آگیا۔ اور پکار کر کہا کہ حسین کی لاش کو روندنے کے لئے کون کون تیار ہے؟ دس آدمیوں نے اپنے نام پیش کئے اور اپنے گھوڑوں کے سموں سے ان کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا۔

دن کا آخری حصہ تھا۔ سورج زیادہ دیر تک یہ ہولناک منظر نہ دیکھ سکا اور خون آلود افق میں غائب ہو گیا۔

حضرت حسین کی شہادت کا واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر پچپن برس کی تھی۔ بعض لوگوں نے آپ کی عمر اکسٹھ برس بتائی ہے تاہم پہلی روایت صحیح ہے۔ آپ کے ساتھ بہتر آدمی شہید ہوئے جن میں سے اٹھارہ آپ کے اہل بیت تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱: عباس بن علی۔ ۲۔ جعفر بن علی۔ ۳: عبداللہ بن علی۔ ۴: عثمان بن علی ۵: محمد بن علی۔ ۶: ابوبکر بن علی۔ ۷: علی بن حسین بن علی۔ ۸: عبداللہ بن حسین۔ ۹: ابوبکر بن حسین۔ ۱۰: عبداللہ بن حسن۔ ۱۱: قاسم بن حسن۔ ۱۲: عون بن عبداللہ بن جعفر الطیار۔ ۱۳: محمد عبداللہ بن جعفر۔ ۱۴: جعفر بن عقیل بن ابی طالب۔ ۱۵: عبدالرحمٰن بن عقیل۔ ۱۶: عبداللہ بن عقیل۔ ۱۷: عبداللہ بن مسلم بن عقیل۔ ۱۸: محمد بن ابوسعید بن عقیل۔

عمر بن سعد کی فوج کے ۸۸ آدمی مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی۔
حضرت حسین کی شہادت کے بعد عمر بن سعد نے حضرت حسین اور دیگر شہداء
کربلا کے سر اتارنے کا حکم دیا۔ اور شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث،
عمر بن الحجاج اور عروہ بن قیس کے ہمراہ انھیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔
دو روز بعد حضرت حسین کی بیٹیوں، بہنوں، شیر خوار بچّوں اور علی بن الحسین
زین العابدین کو لے کر خود بھی کربلا سے کوفہ روانہ ہوا۔ جب یہ قافلہ اس جگہ
سے گزرا جہاں حسین بن علی اور دیگر شہداء کی لاشیں بے گور و کفن چٹیل
میدان میں پڑی تھیں تو قافلہ میں ایک ماتم برپا ہو گیا۔ حضرت حسین کی بہن
زینب رو رو کر کہتی تھیں:

"اے محمدؐ! جن پر ملائکہ آسمان سے درود بھیجتے ہیں۔ دیکھیے یہ حسین
خاک و خون میں آلودہ ٹکڑے ٹکڑے چٹیل میدان میں پڑا ہے۔ آپ کی
بیٹیاں قیدی ہیں، آپ کی اولاد مقتول ہے اور ہوا اُن پر خاک اُڑا
رہی ہے۔"

یہ دردناک مرثیہ سن کر ہر شخص رونے لگا۔ اس وقت اُن لوگوں کو
احساس ہوا کہ وہ کس قدر ہولناک جرم اور شدید گناہ کے مرتکب ہوئے
ہیں۔

جب عمر بن سعد میدانِ کربلا سے کوچ کر گیا تو بنو اسد کے چند لوگوں نے

جو قریب ہی رہتے تھے آکر حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کی نمازِ جنازہ ادا کی اور ان کی لاشوں کو دفن کیا۔

مفید کہتا ہے کہ حضرت حسین کا مزار اسی جگہ ہے جہاں دیگر شہداء کربلا کی لاشوں کو دفن کیا گیا تھا۔ ان کے بیٹے علی بن حسین کو ان کے قدموں میں دفن کیا گیا۔ ان لوگوں نے تمام شہداء اور اہل بیت کے لئے ایک ہی گڑھا کھودا اور ان سب کو ساتھ ہی دفن کیا۔ البتہ عباس بن علی کو جو حضرت حسین کے ساتھ پانی لینے گئے تھے اور جنھیں دشمنوں نے نرغے میں لے کر وہیں شہید کر دیا تھا اسی جگہ دفن کیا گیا تھا جہاں شہید کیا گیا تھا۔

سرِ حسین کے متعلق خلکان نے لکھا ہے کہ اسے مصر منتقل کرنے سے پہلے عسقلان میں دفن کیا گیا تھا۔ ابن بطوطہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے

آل رسول یزید کے دربار میں

ابن زیاد کوفہ کے
ابن زیاد کے محل میں حضرت زینب کی آمد   قصر الامارۃ میں بیٹھا
ہوا تھا۔ لوگوں کو داخلے کی عام اجازت تھی۔ حضرت حسین کا سر ایک
طشت میں اس کے سامنے رکھا تھا اور وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔
اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جسے وہ بار بار آپ کے ہونٹوں پر مارتا
تھا۔ وہ دل میں کہتا تھا کہ میں اس علاقہ کا با اختیار حاکم ہوں۔ میں نے
حسین کے لشکر کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ اب کس کی مجال ہے کہ
میرے مقابلے میں آنے کی جرأت کر سکے۔

اس کے ایک جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت

زید بن ارقم بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ابن زیاد حضرت حسین کے ہونٹوں پر بار بار چھڑی مار رہا ہے تو ان سے نہ رہا گیا اور انھوں نے فرمایا:

"یہ چھڑی ہٹا لو۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں کو ان ہونٹوں کا بوسہ لیتے دیکھا ہے"

یہ کہتے ہی وہ رو پڑے۔ زیاد نے کہا:

"اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کو رلائے۔ اگر یہ مجھے معلوم نہ ہوتا کہ بڑھاپے کے باعث تیری عقل ماری گئی ہے تو میں تیری گردن اڑا دیتا"

حضرت زید یہ کہتے ہوئے ابن زیاد کے دربار سے چلے گئے:

"اے گروہ عرب! آج کے بعد تم غلامی کی زندگی بسر کرو گے۔ تم نے فاطمہ کے لخت جگر کو قتل کر دیا اور ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنا لیا۔ وہ تمھارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور اشرار کو غلام بنا لیتا ہے"

اسی حالت میں کربلا کا تباہ شدہ قافلہ جس میں حضرت زینب اور دیگر اہل بیت شامل تھے محل میں داخل ہوا۔ حضرت زینب کے بدن پر پھٹے پرانے کپڑے تھے۔ وہ محل کے ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گئیں اور ان کی لونڈیوں نے ان کے گرد حلقہ بنا لیا۔

ابن زیاد نے کہا:

"یہ کون عورت ہے جو کونے میں جا کر بیٹھ گئی ہے اور چند عورتوں نے اس کے گرد حلقہ بنا لیا ہے؟"

حضرت زینب نے جواب نہ دیا۔ اس نے تین بار اپنا سوال دہرایا لیکن حضرت زینب خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک لونڈی نے کہا:

"یہ زینب بنتِ فاطمہ بنتِ رسول اللہ ہیں۔"

ابن زیاد بولا:

"خدا کا شکر ہے جس نے تمھیں ذلیل کیا تمھیں قتل کیا اور تمھاری باتوں کو جھوٹ کر دکھایا۔"

حضرت زینب نے جواب دیا:

"خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے نبی کے ذریعے عزت دی۔ اور ہمیں گندگی سے پاک کیا۔ فاسق و فاجر ہی جھوٹ بولتا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

ابن زیاد نے کہا:

"تم نے دیکھا اللہ نے تمھارے اہلِ بیت کے ساتھ کیا کیا؟"

حضرت زینبؑ نے جواب دیا:

"ان کے لیے شہادت مقدر تھی جو انھیں حاصل ہوئی۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے اور انھیں ایک جگہ جمع کر دے گا۔ اور وہ خدا کے

حضور تیرے ظلم کے خلاف فریاد کریں گے۔ اس وقت تم ان سے معاملہ طے کر لینا۔"

ابن زیاد یہ سن کر غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا:

"اللہ تعالیٰ نے تیرے باغی، طاغی اور نافرمان اہل بیت کو ہلاک کر کے میرے دل کو ٹھنڈا کر دیا۔"

زینبؑ رو پڑیں اور کہنے لگیں:

"خدا کی قسم! تو نے میرے جگر گوشوں اور پیاروں کو قتل کر دیا۔ اگر تیرا دل اسی بات سے ٹھنڈا ہوتا ہے تو خوب اچھی طرح اپنے دل کو ٹھنڈا کر لے۔"

ابن زیاد نے کہا:

"یہ شاعری ہے۔ اس کا باپ بھی شاعر تھا۔"

حضرت زینبؑ نے کہا: "عورت کو شاعری سے کیا علاقہ!"

ابن زیاد اور زین العابدینؑ

ابن زیاد نے بے بس اور بے کس قیدیوں کے گروہ کی طرف نظر اٹھائی تو اپنے سامنے علی بن الحسین کو دیکھا۔ اس نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا علی بن الحسین۔ ابن زیاد نے کہا۔ کیا اللہ نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کر دیا۔؟ انھوں نے جواب

دیا۔ میرے ایک بھائی کا نام بھی علی تھا اسے لوگوں نے قتل کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا " اسے اللہ نے قتل کیا "

زین العابدینؑ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی: ان اللہ یتوفی الانفس حین موتہا وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ ۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور کسی نفس کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر مر جائے۔

ابن زیاد غضبناک ہو کر بولا: "تجھے میری بات کا جواب دینے کی جرأت کہاں سے ہوئی؟" یہ کہہ کر اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ باہر لے جا کر اس کی گردن اڑا دو"

ابن زیاد کا یہ حکم سن کر حضرت زین العابدین کی پھوپھی حضرت زینبؑ اپنے بھتیجے سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے کہنے لگیں:

"کیا اتنے لوگوں کو قتل کر کے بھی تیرا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔ اگر تجھے اسے قتل کرنا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر ڈال "

یہ سن کر ابن زیاد کو رحم آگیا۔ اور اس نے کہا " اچھا اسے چھوڑ دو "

حضرت حسین کا سر کوفے کے بازاروں میں

ابن زیاد محل سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا بلند کرنے کا حکم دیا۔ جب لوگ یہ آواز سن کر مسجد میں

اکٹھے ہو گئے۔ تو وہ منبر پر چڑھا اور کہا:

"خدا کا شکر ہے جس نے حق کو ظاہر کر دیا۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کے گروہ کی مدد کی۔ اور کذاب بن کذاب حسین بن علی اور اس کے مددگاروں کو ہلاک کر دیا۔

یہ خرافات سن کر عبداللہ بن عفیف ازدی سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ اندھے تھے، ان کی ایک آنکھ جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ لڑتے ہوئے جاتی رہی تھی۔ اور دوسری جنگ صفین میں انہی کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے پھوٹ گئی تھی۔ وہ بہت عابد و زاہد انسان تھے سارا دن مسجد میں بیٹھے عبادت کرتے اور رات گئے اپنے گھر جایا کرتے تھے۔ وہ اٹھے اور انھوں نے کہا:

"اے ابن مرجانہ! تو نبیوں کے بیٹوں کو قتل کرتا ہے اور منبر پر جو صدیقین کے لئے مخصوص ہے کھڑا ہو جاتا ہے۔ کذاب تو اور تیرا باپ اور وہ شخص جس نے تجھے حاکم بنایا اور اس کا باپ ہے۔"

ابن زیاد نے کہا: "اس بڈھے کو میرے پاس لاؤ۔"

چوبداروں نے انھیں پکڑ لیا۔ اس پر انھوں نے قبیلۂ ازد کا نعرہ "یا مبرور" بلند کیا۔ بنو ازد کے چند نوجوان اٹھے اور اپنے آدمی کو ابن زیاد کے آدمیوں سے چھڑا کر گھر لے گئے۔ جب رات ہوئی تو

تو ابن زیاد نے سپاہیوں کو بھیجا جو عبید اللہ بن حنیف کو ان کے گھر سے گرفتار کر کے لے آئے۔ ابن زیاد نے انھیں قتل کر دیا اور ان کی لاش کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا۔

صبح کے وقت ابن زیاد نے حکم دیا کہ حضرت امام حسین کے سر کو کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرایا جائے۔ جب اچھی طرح اس کی نمائش ہو چکی تو اس نے دیگر شہداء کے سروں کے ہمراہ اُسے یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ حضرت حسین کے اہل بیت بھی بیڑیوں میں جکڑ کر دمشق بھیج دیئے گئے

اہلِ بیت یزید کے دربار میں

حضرت حسین کا سر یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ فاطمہ اور سکینہ بنت الحسین بھی قیدیوں کی حیثیت میں اس کے سامنے کھڑی تھیں اپنے والد کے سر کو دیکھ کر ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے یزید کو جلد اس بات کا احساس ہو گیا اور سر کو اپنے پاس سے ہٹانے کا حکم دیا۔ اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے ان دونوں سے کہا:

"یہ تمام معاملہ میرے علم کے بغیر ہوا۔ اگر حسین میرے سامنے آتے تو میں ضرور بردباری اور درگزر سے کام لیتا۔[1]"

---

[1] یزید نے اپنے عامل کوفہ کو امام حسین کا سر کاٹنے کا حکم دیا تھا (یعقوبی جلد ۲ ص ۸۸)

اسی دوران میں علی بن الحسین بیڑیوں میں جکڑے ہوئے لائے گئے۔ اس نے ان کی بیڑیاں اتارنے کا حکم دیا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ تمھارے والد نے مجھ سے قطع رحمی کی میرے حق سے پہلو تہی برتی، میری حکومت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

علی نے جواب دیا:

"ہر مصیبت جو انسان کو پیش آتی ہے وہ خدائی نوشتوں میں پہلے سے لکھی ہوئی موجود ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ماسوا علیٰ مافاتکم ولاتفرحوا بما اتاکم، واللہ لایحب کل مختال فخور۔

اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ علی بن الحسین اور دیگر لوگوں کو جو ان کے ساتھ آئے ہیں عزت و احترام کے ساتھ اس کے محل کے متصل ایک گھر میں ٹھیرایا جائے۔ اور ان کا جو اسباب لوٹا گیا ہے وہ انھیں واپس کر دیا جائے۔ ان کی خدمت کے لئے اس نے کئی لونڈیاں بھی مقرر کر دیں۔

شروع میں جب حضرت حسین کا سر اس کے پاس پہنچا تھا تو اسے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ اور اس نے ابن زیاد کے اس فعل کو بڑی تحسین

کی نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ حسین کے قتل سے اس کی راہ سے سب سے بڑا کانٹا نکل گیا ہے۔ اور اب وہ بڑے چین اور آرام سے حکومت کر سکے گا۔ لیکن جب اس پر ہر طرف سے پھٹکار پڑنی شروع ہوئی تو اسے ندامت کا احساس ہوا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا۔

"میرا کیا ہرج تھا اگر میں تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزت و احترام اور ان کے حقوق اور قرابت کی خاطر حسین کو اپنے محل میں لا کر ان کی پیش کردہ باتوں کو قبول کر لیتا خواہ اس طرح مجھے کسی قدر کمزوری کا مظاہرہ ہی کیوں نہ کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے یہ سب کارستانی اسی کی ہے۔ حسین نے اسے تین باتوں کی پیشکش کی تھی اور وہ بہت آسانی سے ان تینوں میں سے کوئی بات قبول کر لیتا۔ لیکن اس نے کوئی بات بھی نہ مانی اور حسین کو قتل کر کے مجھے لوگوں کی نظروں میں مبغوض بنا دیا۔ اور ان کے دلوں میں میری طرف سے عداوت اور بغض کے جذبات پیدا کر دیئے۔"

زینبؑ بنتِ فاطمہ

یہ امر قابل ذکر ہے کہ معرکۂ کربلا کے دن ابن زیاد کے دربار میں اور یزید کے محل میں حضرت زینب بنتِ فاطمہ نے جس جراٴت اور بہادری کا ثبوت دیا اس کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔ جب انھیں حضرت حسین کے دیگر اہل خاندان

کے ہمراہ یزید کے دربار میں حاضر کیا گیا تو ایک شامی نے اٹھ کر یزید سے کہا کہ فاطمہ بنت علی کو مجھے دے دیا جائے۔ مفید میں لکھا ہے کہ اس نے فاطمہ بنت حسین کا نام لیا تھا۔ فاطمہ نے ڈر کر حضرت زینب کا دامن پکڑ لیا۔ حضرت زینب نے اس شامی سے کہا:

"تو جھوٹ بولتا ہے۔ نہ تجھے یہ اختیار ہے کہ تو فاطمہ کو حاصل کر سکے اور نہ یزید کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے تجھے دے سکے۔"

یزید کو یہ سن کر غصہ آ گیا اور کہا:

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ مجھے یہ اختیار حاصل ہے اور اگر میں چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔"

حضرت زینب نے جواب دیا:

"ہرگز نہیں۔ اللہ نے تجھے یہ اختیار نہیں دیا سوائے اس کے کہ تو ہمارے دین اور ملت سے نکل جائے اور کوئی دوسرا دین اور ملت اختیار کر لے۔"

یزید یہ سن کر غصے میں اور بھی زیادہ بے قابو ہو گیا۔ اور اس نے کہا:

"تم میرے سامنے یہ باتیں کہتی ہو؟ دین سے تمہارا باپ اور تمہارا بھائی نکل گیا تھا۔"

حضرت زینب نے جواب دیا:
"میرے بھائی اور دادا کے دین ہی سے تو نے اور تیرے باپ اور دادا نے ہدایت حاصل کی تھی"
یزید نے کہا: "اے اللہ کی دشمن تو جھوٹ بولتی ہے"
حضرت زینب نے جواب دیا:
"تو امیر ہے اور محض حکومت کے نشے میں دوسرے لوگوں کو گالیاں دیتا اور ان پر ظلم وستم توڑتا ہے"
اس پر یزید کو شرم آگئی اور خاموش ہو گیا۔

مدینہ میں غم و حزن کے بادل

جب حضرت حسین آپ کے ساتھیوں اور اہل بیت کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی تو وہاں کے لوگوں پر حزن والم کے بادل چھا گئے۔ عقیل بن ابیطالب کی بیٹی دوسری عورتوں کے ہمراہ چیختی چلّاتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ ان کی زبان پر یہ شعر جاری تھے:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم
ماذا فعلتم وانتم اٰخر الامم
بعترتی وباهلی بعد مفتقدی
منهم اساریٰ وقتلیٰ ضرجوا بدم

ماکان ھٰذا جزائی اذ نصحت لکم
ان تخلفونی بسوءٍ فی ذی رحمی

(تم کیا کہو گے جب قیامت میں رسول اللہ صلعم تم سے پوچھیں گے کہ اے وہ لوگو! جو آخری امّت ہو، تم نے میری وفات کے بعد میری اولاد اور اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض کو قیدی بنا لیا اور بعض خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں۔ کیا میرے احسانات کا یہی بدلا تھا جو تم نے میرے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بدترین سلوک کر کے ادا کیا۔)

جب عامل مدینہ عمرو بن سعد نے ان کی آوازیں سنیں تو وہ ہنسا اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو حضرت حسین کے قتل کی خبر دی۔[1]

جب عبداللہ بن جعفر کو اپنے دونوں بیٹوں کی شہادت کی خبر ملی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کے بعض غلام اور احباب ان کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا:

"ہمیں حسین کی خیر خواہی کا یہ بدلا ملا۔"

یہ سن کر ابن جعفر نے اپنا جوتا اس شخص کے منہ پر کھینچ مارا اور کہا:

---

[1] بعد میں عمرو بن سعد کو بڑے ہولناک طریقے سے قتل کر دیا گیا۔

"اے ابن الخمار! تو حسین کے متعلق یہ بات کہتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں اس موقع پر حاضر ہوتا تو اس وقت تک حسین کی معیت ترک نہ کرتا جب تک میں بھی ان کے ساتھ قتل نہ ہو جاتا۔ خدا کی قسم! میں یہ سوچ کر اپنے دل کو تسکین دے لیتا ہوں کہ میرے دونوں بیٹے راہ خدا میں میرے بھائی کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوتے ہیں۔ اگرچہ میں حسین کی مدد نہ کر سکا۔ لیکن میری طرف سے میرے بیٹوں نے یہ فرض ادا کر دیا۔"

قاتلان حسین کا عبرتناک انجام

قاتلانِ حسین کے متعلق کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی عذابِ الٰہی سے نہ بچ سکا۔ ان میں سے بعض بری طرح قتل کئے گئے۔ اور بعض اپنی موت سے قبل دردناک مصیبتوں اور آفتوں میں مبتلا ہو گئے۔

ابن جوزی نے زہری سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قاتلین حسین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے بہت جلد دنیا ہی میں اپنے گناہ کی سزا نہ مل گئی ہو۔ بعض کو قتل کر دیا گیا۔ بعض اندھے ہو گئے۔ بعضوں کا اقتدار چھن گیا اور انھوں نے اپنی باقی زندگی سخت ذلت و رسوائی کی حالت میں بسر کی۔"

ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

"زہری نے جو یہ کہا ہے کہ قاتلین حسین میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں بچا جسے دنیا میں سزا نہ مل گئی ہو تو یہ عین ممکن ہے کیونکہ سب سے بڑا گناہ سرکشی ہے اور حسین کے مقابلے میں آنا سب سے بڑی سرکشی ہے۔"

ابن کثیر نے لکھا ہے:

"قاتلین حسین پر عذاب نازل ہونے کے متعلق جو روایات مروی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر صحیح ہیں۔ قاتلین حسین میں سے بیشتر لوگ تو بری طرح قتل کئے گئے۔ جو باقی بچے وہ سخت تکلیف دہ امراض میں مبتلا ہو گئے۔ بیشتر لوگوں کو جنون لاحق ہو گیا اور وہ اسی حالت میں مر گئے۔"

جب مختار بن عبید الثقفی نے خوں ریز لڑائی کے بعد کوفہ پر تسلط حاصل کیا تو اس نے ایک دن میں دو سو چالیس ایسے آدمیوں کو قتل کیا جنھوں نے حضرت حسین کی شہادت میں حصّہ لیا تھا۔ یا اس لشکر میں شامل تھے جو ابن زیاد نے حضرت حسین سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔

عمرو بن الحجاج الزبیدی حضرت حسین کو قتل کرنے والوں میں شامل تھا۔ وہ بھاگ کر کہیں روپوش ہو گیا۔ لیکن مختار کے لوگوں نے اس کا پتا لگایا۔ اور اسے ذبح کر دیا۔

شمر بن ذی الجوشن بھی بھاگ گیا تھا۔ لیکن مختار کے آدمیوں نے اسے بھی پکڑ کر قتل کر دیا۔

مختار نے قاتلین حسین کو قتل کرانے کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ وہ لوگ پکڑ کر اس کے سامنے لائے جاتے اور وہ انھیں مختلف عذاب دے کر قتل کرا دیتا۔ بعض کو آگ میں جلا دیتا، بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیتا۔ اور وہ سسک سسک کر مر جاتے۔ بعض کو تیروں کے ذریعے چھد وا دیتا۔

خولی بن یزید وہ شخص تھا جو امام حسین کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس لے گیا تھا۔ وہ بھی کسی پوشیدہ جگہ چھپ گیا تھا لیکن مختار کے آدمیوں نے اس کا پتہ لگا لیا۔ اور اسے گرفتار کر کے مختار کے سامنے حاضر کر دیا۔ مختار نے اسے قتل کرنے اور آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا اور اس کی لاش بالکل خاکستر ہو گئی۔

غرضیکہ قاتلین حسین میں سے جس جس پر مختار کا قابو چل سکا اس نے اسے بری طرح قتل کروایا۔ عمر بن سعد جو ابن زیاد کے لشکر کا سپہ سالار تھا اسی طرح قتل کیا گیا۔ اور اس کے بیٹے کو بھی اسی طرح قتل کر دیا گیا۔

بعض لوگ کوفہ سے بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے۔ مختار نے ایسے

تمام لوگوں کے مکانات منہدم کرا دیئے اور ان میں آگ لگوا دی

اس کے بعد مختار نے ابراہیم بن اشتر کو ایک آزمودہ کار فوج کے ہمراہ عبداللہ بن زیاد سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ ابن زیاد اس کے مقابلے کے لئے شامیوں کا ایک عظیم لشکر لے کر روانہ ہوا۔ نہر خازر پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا جس میں ابن زیاد کے لشکر کو شکست ہوئی اور ابن زیاد میدان جنگ میں مارا گیا۔ اسے ابن اشتر نے قتل کیا تھا۔ لڑائی کے بعد ابن اشتر نے ابن زیاد، حصین بن نمیر، شرحبیل بن ذی الکلاع اور ابن زیاد کے دوسرے بڑے بڑے ساتھیوں کے سر فتح کی خوشخبری کے ساتھ مختار کی خدمت میں کوفہ روانہ کر دیئے۔ مختار نے ابن زیاد اور عمر بن سعد کے سر علی بن الحسین کے پاس بھیج دیئے۔ جب یہ سر ان کے سامنے رکھے گئے تو وہ سجدے میں گر پڑے اور کہا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے لئے میرے دشمنوں سے میرا بدلا لے لیا"۔

اس طرح اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ہر اس شخص کو ہلاک کر دیا جو حضرت امام حسینؑ سے لڑنے والی فوج میں شامل تھا اور اس نے آپ سے لڑنے کے لئے نیزہ یا تلوار اٹھائی تھی۔

حادثۂ فاجعہ کے بعد شیعی سیاست!

ائمہ اثنا عشری

بہت سے مستشرقین نے حضرت حسینؑ کی شہادت کو شیعیت کی ترویج کا سب سے بڑا سبب ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر حضرت حسین کی شہادت کا واقعہ پیش نہ آتا تو اسلام میں شیعہ فرقے کا وجود ہی نہ ہوتا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ شیعی افکار کی ترویج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً بعد اس وقت سے شروع ہو گئی تھی جب حضرت علی کو خلافت کے سب سے بڑے حق دار کی صورت میں پیش کیا گیا تاہم شہادت حسین نے اس نظریہ کو پھلنے پھولنے میں بہت مدد دی۔

حضرت حسین کی شہادت کے بعد امامت ان کے بیٹے علی اصغر زین العابدین کی جانب منتقل ہو گئی۔ اثنا عشری شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین نے خود اپنے بیٹے کی امامت کی وصیت کی تھی اور اپنے سوتیلے بھائی محمد بن الحنفیہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔[1] اس طرح نظریۂ امامت نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔ اور امامت کو موروثی بنا لیا گیا جو باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی تھی۔ چونکہ علی الاکبر بن الحسین میدان کربلا میں اپنے والد کے ساتھ شہید ہو چکے تھے اس لئے امامت حضرت حسین کے دوسرے بیٹے علی الاصغر کی جانب منتقل ہو گئی جو کربلا میں شہید ہونے سے بچ گئے۔

نئے امام نے اہلِ مدینہ کی اس بغاوت میں حصہ نہ لیا جو انھوں نے یزید کے خلاف کھڑی کی تھی۔ جب یزید کے لشکر نے اہلِ مدینہ پر قابو پا لیا تو تین روز تک اس نے شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ یزید اس موقع پر بذات خود موجود تھا۔ اور فتح حاصل کرنے کے بعد اس نے مدینہ والوں کو اپنا غلام قرار دے کر اسی حیثیت سے ان کی بیعت لی تھی۔ لیکن جب علی بن الحسین اس کے پاس آئے تو اس نے انھیں

---

[1] فرقہ کیسانیہ کے نزدیک حضرت حسین کی شہادت کے بعد امامت ان کے بھائی محمد بن الحنفیہ کی جانب منتقل ہو گئی تھی۔

اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کہا:

"امیر المومنین (معاویہ) نے مجھے تمھارے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی تھی۔"

بعد میں جب عبد اللہ بن زبیر نے یزید کے خلاف خروج کیا تب بھی علی بن الحسین نے ان کی تائید نہ کی اور بغاوت میں کسی قسم کا حصّہ نہ لیا۔ اسی طرح جب کوفہ میں مختار نے علم بغاوت بلند کیا تو علی بن الحسینؑ نے مسجدِ نبوی میں کھڑے ہو کر اس سے بے تعلقی کا اظہار کیا۔ اسی لئے مختار نے بھی ان کی بجائے ان کے چچا محمد بن الحنفیہ کی تائید کی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں شیعہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ امامت صرف بنو فاطمہ کا حق ہے لیکن دوسرا گروہ اسے بنو فاطمہ سے مختص نہ سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک حضرت علیؑ کی دوسری اولاد بھی اس کی حقدار تھی۔ پہلے گروہ کے نزدیک حضرت حسین کے بعد امامت علی بن الحسین کی جانب منتقل ہو گئی تھی۔ اور دوسرے گروہ کے نزدیک محمد بن الحنفیہ کی جانب، جو حضرت حسین کے سوتیلے بھائی تھے۔

حضرت امام زین العابدین نے سیاست سے بالکل دست کشی اختیار کر لی تھی۔ اور فتنوں اور بغاوتوں میں حصّہ لینے کی بجائے ہر وقت

عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ مختلف لوگوں کی طرف سے حصولِ اقتدار کی جتنی کوششیں کی گئیں وہ سب ناکامی پر منتج ہوئی تھیں۔

امام زین العابدین کی والدہ فارسی الاصل تھیں وہ ان کی حد درجہ تابعداری اور خدمت گزاری کرتے تھے۔ نماز بڑے سوز و گداز سے ادا کرتے تھے۔ بسا اوقات سارا قرآن کریم ایک ہی رات میں ختم کر دیتے تھے۔ وہ بہت خوش الحان تھے۔ بے حد سادہ مزاج تھے اور سارا دن ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھے رہتے تھے۔ کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو کی ایک روٹی سے روزہ افطار کرتے تھے۔ حد درجہ سخی تھے اور ایک دن میں سو سو بکریاں ذبح کر کے ان کا گوشت لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

ان کے زہد و اتقا اور پرہیزگاری کے باعث لوگ ان کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کثرتِ اژدحام کے باعث حجرِ اسود تک نہ پہنچ سکا لیکن جب علی بن الحسین طواف کرتے کرتے حجرِ اسود کے قریب پہنچے تو لوگوں نے فوراً آپ کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ اور آپ بہ آسانی حجرِ اسود تک پہنچ گئے۔ ہشام

نے تجاہلِ عارفانہ کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کون ہے؟

عربی شاعر فرزدق اس موقع پر موجود تھا۔ یہ سن کر اس نے اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

هذا الذی تعرف البطحاء وطاءته
والبیت تعرفه والحل والحرام

(یہ وہ شخص ہے جسے ارض بطحا، بیت اللہ۔ سرزمینِ مکہ اور تمام عرب خوب جانتا ہے)

ہشام یہ منظر دیکھ کر بہت غضبناک ہوا۔ شیعہ کتب میں لکھا ہے کہ ہشام نے انھیں زہر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا لیکن وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

امام زین العابدین نے ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں وفات پائی اور بقیع میں اپنے چچا حضرت حسن کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کی امامت کا زمانہ ۳۵ برس رہا۔

امام محمد الباقر

علی بن الحسین کے بعد امامت ان کے بیٹے محمد الباقر کی طرف منتقل ہو گئی۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح بہت عابد و زاہد انسان تھے۔ سارا دن درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ امامت کی بلشتر صفات کا علم لوگوں کو انہی کے ذریعے ہوا۔ روایت ہے

ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کا علم دیا گیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا۔ "ہاں"۔ اس نے پوچھا کیا آپ کو بھی اس علم سے حصّہ ملا ہے؟" انھوں نے کہا "ہاں"۔ اس نے پوچھا "کیا آپ مُردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا کر سکتے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا "ہاں اللہ کے اذن سے کر سکتا ہوں"۔ چنانچہ انھوں نے ایک آدمی کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا وہ فوراً اندھا ہو گیا۔ انھوں نے دوبارہ ہاتھ پھیرا تو اس کی بینائی لوٹ آئی"۔

ان کی مجلس میں بے شمار علمی سوالات پیش ہوتے تھے اور وہ بحسن و خوبی ان کے جوابات دیا کرتے تھے لیکن ذاتِ خداوندی کی کنہ کے متعلق بحث پسند نہ کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ماہیت کو جاننا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ تمام آئمہ معصوم ہیں اور اہل بیت بھی گناہوں کے ارتکاب سے قطعی محفوظ ہیں۔ تمام زمین آئمہ کی ملکیت ہے۔ انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں پر رحم کرتا اور ان پر اپنے انعام نازل کرتا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو انسان ہلاک ہو جاتے ... آئمہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں جبکہ امام محمد الباقر بقیدِ حیات تھے ان کے بھائی زید نے اموی حکومت کے خلاف خروج کیا تھا۔ حاکم

عراق یوسف ابن عمر نے ان کے مقابلے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا جس نے انھیں شکست دی اور وہ میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان کے جسم کو کوفہ میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اور سر کو مختلف شہروں میں پھرایا گیا۔

شیعہ روایات کی رُو سے امام محمد الباقرؑ کو زہر دیا گیا تھا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ستاون برس کی تھی۔

عباسی بغاوت

صلح جوئی کی یہ پالیسی مذکورہ بالا اماموں اور ان کے حامیوں نے حکومت بنی امیہ کے مقابلہ میں اختیار کر رکھی تھی۔ محمد بن الحنفیہ بن علی ابن ابی طالب کے حامیوں کو پسند نہ آئی اور وہ لوگ آل عباس کے ساتھ مل کر اموی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی تدابیر سوچنے لگے۔ محمد بن الحنفیہ کی امامت کے داعیوں میں پیش پیش ابو ہاشم تھے۔ انھیں ہشام بن عبد الملک نے زہر دے دیا تھا جب انھیں محسوس ہوا کہ ان کا آخری وقت قریب ہے، تو انھوں نے حمیمہ کے مقام پر محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کی بعیت امامت خلافت کر لی۔ کیسانیہ یعنی ابو ہاشم کی جماعت اور محمد بن الحنفیہ کے شیعہ حامیوں کی تائید حاصل ہو نے پر محمد نے امامت کا دعویٰ کر دیا لیکن اس دعوت کے نتائج حاصل ہونے سے پہلے ہی ان کا آخری وقت آپہنچا۔

اور انھوں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو امامت کا منصب سپرد کر دیا۔

ابراہیم نے اپنے داعیوں کے ذریعے خراسان میں اپنی امامت کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ امام ابراہیم کے بھیجے ہوئے داعی کسی معین شخص کا نام لینے کی بجائے آل محمد کی امامت کا پروپیگنڈا کرتے تھے۔ امام ابراہیم کو ایک ہوشیار اور چالاک خراسانی نوجوان کی خدمات بھی حاصل ہو گئیں جو جنگی حیلوں سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس شخص کا نام ابو مسلم خراسانی تھا۔ ابراہیم نے اس کی قابلیت کو دیکھ کر اسے اپنے تمام داعیوں کا سردار بنا دیا۔ ابو مسلم کو عباسی دعوت کے پھیلانے میں زبردست کامیابی نصیب ہوئی۔ امویوں کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کو اس کے ہاتھوں عبرت ناک شکست اٹھانی پڑی۔ اور عباسی خلافت کا قیام عمل میں آیا۔ اس سلطنت کا پہلا خلیفہ امام ابراہیم کا بھائی ابو العباس السفاح تھا۔ امام ابراہیم کو امویوں نے حکومت کے خلاف سازش کرنے اور علم بغاوت بلند کرنے کے الزام میں قتل کرا دیا تھا۔ عباسیوں نے اقتدار حاصل کرتے ہی امویوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ اور سوائے ان معدودے چند لوگوں کے جنھوں نے بھاگ کر اندلس میں اموی حکومت کی بنا رکھی باقی سب امویوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ابو العباس السفاح نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اپنا جانشین

مقرر کر دیا۔ منصور کے عہد میں عباسی سلطنت کو استحکام حاصل ہو گیا۔ اگرچہ بعض بغاوتیں اس کے خلاف ضرور اٹھیں لیکن وہ انھیں فرو کرنے اور کچلنے میں کامیاب ہو گیا۔

امام جعفر صادق

اس سیاسی اضطراب کے زمانہ میں بیٹے امام جعفر صادق مدینہ میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ شہرستانی نے ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"امام جعفر صادق کو دینی علوم سے حصۂ وافر عطا ہوا تھا۔ حکمت و موعظت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ دنیا سے بے رغبتی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور شہوات سے انھوں نے بہ کلی اجتناب کیا ہوا تھا۔ وہ کافی عرصے تک مدینہ میں رہ کر علم و عرفان کے موتی بکھیرتے رہے اس کے بعد عراق چلے آئے لیکن وہاں کی سیاست میں مطلق دخل نہ دیا۔ اور نہ خلافت کے بارے میں کسی سے جھگڑا کیا۔"

ان کے شاگردوں میں جو ان کے درس میں باقاعدہ شامل ہوتے تھے امام ابو حنیفہ رح اور امام مالک رح بہت مشہور ہیں۔ یہ دونوں آگے چل کر حنفی اور مالکی فقہ کے بانی بنے۔ معتزلیوں کا مشہور امام واصل بن عطا بھی

ان کا شاگرد تھا۔ امام جعفر صادق نے اپنے عہد کے علوم و فنون کے متعلق گراں قدر آرا کا اظہار کیا ہے۔ ان کے اقوال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ کسی امر کے متعلق جو رائے قائم کر لیتے تھے ہمیشہ اس پر قائم رہتے تھے۔ بات کو بڑی صراحت اور وضاحت سے بیان کرتے تھے۔ ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ بدیہہ گوئی میں انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کا ایک مشہور قول یہ ہے:

تین لوگوں سے ہمیشہ شفقت اور ہمدردی کا سلوک کرنا چاہیے:
۱: وہ شخص جو پہلے مال دار ہو اور گردشِ زمانہ سے فقیر اور کنگال ہو جائے
۲: وہ شخص جس کا شمار پہلے معزز لوگوں میں ہوتا تھا لیکن پھر زمانہ کے الٹ پھیر سے ذلت و رسوائی کا شکار ہو جائے۔ ۳: وہ عالم جس کے ساتھ جاہل تمسخر کریں۔

شیعہ اصحاب اکثر احادیث جن سے امامت کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے امام جعفر صادق کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ امام صاحب ۱۴۸ھ میں ابو جعفر منصور کے عہد خلافت میں فوت ہوئے اور بقیع میں اپنے والد اور دادا کے پہلو میں دفن ہوئے۔

امام موسیٰ کاظم

جس وقت سفاح نے عباسی خلافت کی بنیاد رکھی امام موسیٰ کاظم چار برس کے

تھے۔ انھوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد امامت حاصل کی اور تینتیس سال تک اس منصب پر فائز رہے۔ درحصل اس منصب پر ان کے بڑے بھائی اسمٰعیل کا حق تھا لیکن وہ اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے۔ اس لیے امامت ان کے بھائی موسیٰ کی طرف منتقل ہوگئی۔ لیکن اس کے باوجود شیعوں میں ایک نیا اختلاف پیدا ہوا۔ اور بعض لوگوں نے اسمٰعیل کی موت کا انکار کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ غائب ہوگئے ہیں اور عنقریب دوبارہ ظاہر ہوں گے یہ گروہ فرقۂ اسمٰعیلیہ کہلایا جس کے پیرو آجکل بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

اثنا عشری شیعہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیل کی امامت کی وصیت تو کی تھی لیکن چونکہ اسمٰعیل اپنے ہوش میں نہ رہتے تھے اس لیے امامت موسیٰ کی جانب منتقل ہوگئی جو امام جعفر صادق کے سات بیٹوں میں سے چھٹے تھے۔ ان کا لقب کاظم اس لیے پڑا کہ وہ بہت حلیم تھے۔ اور غصّے کو بہت جلد پی جاتے تھے۔ (کاظم کے معنی ہیں غصّہ پینے والا) وہ بہت عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار اور صالح انسان تھے اور تقویٰ کے بلند مقام تک پہنچے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ رات کے ابتدائی حصے میں نماز کے لیے مسجد نبویؐ میں آئے۔ مسجدہ میں گئے تو یہ دعا پڑھنی شروع کی:

"میرے گناہ بہت زیادہ ہو گئے ہیں اے گناہوں کے بخشنے والے مجھ سے درگزر فرما۔"

ساری رات گزر گئی مگر انھوں نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا اور برابر اسی دعا کا ورد کرتے رہے۔

وہ بہت ہی نیک خصلت اور فیاض انسان تھے اور کبھی برائی کا بدلا برائی سے نہ دیتے تھے۔ ایک شخص انھیں بہت دکھ دیا کرتا تھا آپ نے بجائے اس کے کہ اسے سرزنش کرتے اسے ایک تھیلی بھیجی جس میں ایک ہزار دینار تھے۔ وہ اکثر دو سو۔ تین سو اور چار سو دیناروں کی تھیلیاں بنایا کرتے اور انھیں مدینہ میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

مہدی کو خطرہ تھا کہ کہیں یہ اس کے خلاف بغاوت نہ کردیں۔ اس لیے انھیں قید کر دیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ اقرار لے کر چھوڑ دیا کہ وہ اور ان کی اولادیں سے کوئی اس کے خلاف بغاوت میں حصہ نہ لے گا۔

ہارون الرشید نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں انھیں مقید کر دیا تھا۔ ان کی وفات کے بارے میں مؤرخین مختلف اقوال بیان کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رشید نے انھیں خفیہ طور پر قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں انھیں قتل کر دیا گیا۔ بغداد

ہی میں مدفون ہوئے۔

امام علی رضا

ہارون الرشید کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں امین اور مامون کے مابین اختلاف پیدا ہو گیا۔ امین اپنے بھائی مامون کو ولی عہدی سے ہٹا کر اس کی جگہ اپنے بیٹے کو مقرر کرنا چاہتا تھا۔ مامون اس زمانے میں سلطنت عباسیہ کے مشرقی علاقوں کا حاکم تھا۔ جہاں فارسی عنصر کو غلبہ حاصل تھا۔ بالآخر دونوں بھائیوں میں جنگ چھڑ گئی جس میں مامون کو فتح حاصل ہوئی۔ اس وقت علی رضا امام قائم تھے۔

مامون کلی طور پر اپنے وزیر فضل بن سہل کے زیر اثر تھا جو شیعیت کی طرف مائل تھا، اس نے مامون کو امام علی رضا کو ولی عہد مقرر کرنے کا مشورہ دیا۔ تاکہ اس طرح اسے شیعوں کی تائید بھی حاصل ہو جائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مامون بنو عباس سے ناراض تھا۔ کیونکہ انھوں نے اس کے اور اس کے بھائی امین کی آویزش میں امین کا ساتھ دیا تھا اور اسے ولی عہدی سے ہٹانے کی تائید کی تھی۔ لہذا اس نے اپنے وزیر کی نصیحت کو قبول کر لیا۔ اور علی رضا کو مدینے سے بلا کر ۲،۷ رمضان ۲۰۱ھ کو اعیانِ مملکت سے ان کی ولی عہدی

کی بیعت لے لی۔ دیناروں اور درہموں پر بھی ان کے نام کی مہر لگا دی گئی۔ اس عہد کے سکوں پر یہ مہر لگی ہوتی تھی:

ملک اللہ والدین • المامون امیر و خلیفۃ المومنین والرضا امام المسلمین۔

ساتھ ہی اپنی بیٹی ام حبیب کی ان سے شادی بھی کر دی اور سیاہ لباس اور جھنڈوں کو ترک کر کے (جو عباسیوں کا خاص نشان تھا سبز رنگ اختیار کر لیا جو علویوں کا شعار تھا۔

مامون کی اس کارروائی سے بغداد میں عربی عنصر کو سخت تشویش ہوئی۔ اور انھوں نے مامون کی بیعت ترک کر کے اس کے چچا ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی۔ چنانچہ مامون مجبوراً بغداد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں فضل بن سہل کو ایک حمام میں بند کر کے قتل کر دیا گیا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے امام علی رضا کو ولی عہد بنانے کی صلاح دی تھی۔ مامون نے اس کے قاتلوں کو قتل کرا دیا۔ اسی اثنار میں امام علی رضا بھی زہر آلود انگور کھانے سے ہلاک ہو گئے۔ اور مدینہ سے دور سناباذ کے مقام پر دفن ہوئے جہاں اس سے قبل ہارون الرشید بھی مدفون تھا۔ زہد و اتقا میں امام صاحب کا اپنا ایک خاص مقام تھا اور اس سے متاثر ہو کر ہر سال

ہزاروں آدمی ان کے پاس زیارت کو آیا کرتے تھے۔

امام علی رضا کی وفات سے خلافت حاصل کرنے کے متعلق شیعوں کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور اُن کے اور اُن کے برادرانِ عم زاد (عباسیوں) کے درمیان اختلافات نے دوبارہ شدت اختیار کر لی۔

امام محمد تقی

مامون نے اگرچہ بہ ظاہر سیاسی طور پر شیعوں کی پاسداری ترک کر دی تھی۔ سبز رنگ تبدیل کر کے دوبارہ سیاہ رنگ اختیار کر لیا تھا۔ اپنے وزیر فضل بن سہل کو ہلاک کرنے اور اپنے ولیعہد امام علی رضا کو خفیہ طور پر زہر دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اندرونی طور پر وہ شیعوں کی حمایت اور ان کا تقرب حاصل کرنے میں کوشاں رہا۔

غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت کی سیاسی صورت حال بالکل غیر یقینی تھی۔ شام اور مصر میں بغاوتیں رونما ہو رہی تھیں۔ آذربائیجان میں بابک خرمی کو زبردست اثر و نفوذ حاصل ہو رہا تھا۔ خلیج فارس میں "ز۔ ط" نے قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ خراسان کی

حالت بھی غیر تسلی بخش تھی۔

ان حالات میں مامون نے یہی مناسب سمجھا کہ شیعوں کو بدستور اپنا حامی بنائے رکھے تاکہ کہیں وہ بھی اس کے دشمنوں سے مل کر اس کے لئے پریشانی کا موجب نہ بنیں۔

چنانچہ اس نے بعض شیعوں کو بڑے بڑے عہدے دے کر اہم علاقوں میں روانہ کیا۔ امام رضا کے اہلِ بیت پر خاص نظرِ عنایت کی۔ ان کے ایک بھائی کو امیر الحج بنا کر مکہ روانہ کیا۔ اپنی بیٹی ام الفضل کا نکاح نویں امام محمد تقی سے کر دیا۔ اور انھیں بیس لاکھ درہم عنایت کیے۔ بیٹی کا نکاح ان سے کرتے ہوئے اس نے یہ کہا کہ:

"میری خواہش ہے کہ میں ایسے بچے کا نانا بنوں جس کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی ابن ابی طالب سے جا کر ملے"۔

اپنے مقتول وزیر بن سہل کے خاندان کی اشک شوئی کے لئے اس نے اس کے بھائی حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اور اس موقع پر اس قدر زبردست جشن کا اہتمام کیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔

امام محمد تقی کی سیاسی زندگی کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی ایک جگہ پر نہیں گزاری ان کی زندگی کا کچھ عرصہ مدینہ میں گزرا اور کچھ بغداد میں۔ معتصم کے ایام خلافت میں وفات پائی۔ اور بغداد میں قریش کے قبرستان میں اپنے دادا ابوالحسن موسیٰ ابن جعفر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ان دونوں کے مزارات اب بھی مرجع خاص و عام ہیں۔

امام علی نقی

امام علی نقی نویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئے جبکہ عباسی سلطنت پر ترک سپہ سالار چھا چکے تھے۔ اور عباسی خلفاء ان کے ہاتھوں میں محض کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتے تھے۔ امام صاحب مدینہ میں خاموشی سے عبادت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔ اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ابھی وہ بچیس برس کے تھے کہ خلیفہ متوکل نے لوگوں کو حضرت علی اور حضرت حسین کے مزارات کی زیارت سے روک دیا، بلکہ حضرت حسن کے مزار کو تو منہدم کرنے کا حکم بھی دے دیا۔

لوگوں نے خلیفہ سے جا کر چغلی کھائی کہ امام علی نقی تمھارے

خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ خلیفہ نے تفتیش کے لیے ایک آدمی ان کے پاس بھیجا، لیکن اُسے سازش کا کوئی ثبوت نہ ملا۔ تاہم اس کے باوجود خلیفہ نے انھیں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اور وہ سامرا میں بیس سال تک قیدی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کا لقب عسکری تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ معتصم نے سامرا کو فوجی چھاؤنی بنایا تھا۔ چونکہ امام صاحب نے یہاں بیس سال قید میں بسر کیے تھے اس لیے اس مناسبت سے ان کا لقب عسکری پڑ گیا۔

روایت ہے کہ خلیفہ نے کئی بار ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ لیکن جس شخص کو بھی وہ اس کام پر مامور کرتا وہ قید خانہ سے کانپتا ہوا واپس آتا۔

ان کی وفات ۸۶۸ء مطابق ۲۵۴ھ میں خلیفہ معتز کے عہد میں ہوئی۔ اپنے پیچھے دو لڑکے حسن اور جعفر چھوڑے۔

امام حسن عسکری

گیارھویں امام حسن عسکری کی ولادت ۲۳۰ھ اور ۲۳۲ھ کے درمیان ہوئی۔ ان کا لقب عسکری اس لیے پڑا کہ انھوں نے

اپنی زندگی سامرا میں گزاری جسے خلفاء عباسیہ نے فوجی چھاؤنی بنایا ہوا تھا۔

امام صاحب چھوٹی ہی عمر سے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے تھے۔ انھیں عربی کے علاوہ اور بھی کئی زبانیں آتی تھیں۔ کیونکہ ان کی ملاقات ہندوؤں، ترکوں اور فارسیوں سے رہتی تھی۔

والد کی وفات کے بعد امام حسن عسکری سامرا سے بغداد کے قیدخانہ میں منتقل کر دئیے گئے۔ قید میں انھوں نے بے حد تکلیف اٹھائی۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ تو انھیں وضو کے لئے پانی دینے سے بھی انکار کر دیا گیا۔ ایک مرتبہ عین حالتِ نماز میں ان پر درندے چھوڑ دئیے گئے۔ لیکن انھوں نے انھیں مطلق گزند نہ پہنچایا۔ اور وہ بدستور نماز میں مشغول رہے۔

کچھ عرصے کے بعد انھیں قید سے رہائی مل گئی اور وہ اپنے گھر سامرا میں واپس آ گئے۔

شیعی روایات کے مطابق سنہ ۲۶۰ھ میں خلیفہ معتمد عباسی کے حکم سے انھیں زہر دے دیا گیا۔

بارھویں امام

شیعوں کے نزدیک بارھویں امام مہدی آخر الزماں ہیں۔ وہ سنہ ۲۵۵ھ میں اپنے

والد کی وفات سے چار یا پانچ سال قبل بمقام سامرا پیدا ہوئے جب امام حسن عسکری کا آخری وقت قریب آیا تو انھوں نے بیٹے کی امامت کی وصیت کی۔ ان کا نام محمد تھا۔ باپ کی وفات کے بعد وہ اپنے مکان کے ایک تہ خانے میں چھپ گئے۔ اس تہ خانے میں ان کے والد عبادت کیا کرتے تھے۔ شیعی روایات یہ کہتی ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ اور دُنیا کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ گو وہ ظاہری طور پر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن در اصل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب زندہ ہیں۔

مہدئ منتظر

اثنا عشری شیعوں کے نزدیک بارھویں امام کے چھپ جانے کے باعث امامت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب وہ سب لوگ اس وقت کے منتظر ہیں جب وہ آخری زمانہ میں مہدی کی حیثیت سے دوبارہ دُنیا میں آئیں گے اور دُنیا کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔

شیعوں کے نزدیک مہدی کے ظہور کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے ہے لیکن اہل سنّت کے نزدیک مہدی وہ شخص ہے جو آخری زمانہ میں پیدا ہوگا۔ اور ہر قسم کے مذہبی اختلافات کو دور کر کے سب لوگوں کو دینِ واحد پر جمع کر دے گا۔

قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں جو بالوضاحت ظہور مہدی کے عقیدہ کی تائید کرتی ہو۔ لیکن بعض احادیث میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مہدی کے ظہور کا عقیدہ سب سے پہلے ۶۶ھ میں منظر عام پر آیا جب کہ محمد بن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب پر مہدی کے لفظ کا اطلاق کیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد جب انہیں جبل رضوی کے دامن میں دفن کیا گیا تو ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ وہ عارضی طور پر اس دُنیا سے گئے ہیں۔ اور دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں گے۔ یہ واقعہ احادیث کی تدوین سے تقریباً سو برس پہلے کا ہے۔

لیکن ابن خلدون نے ظہور مہدی کے عقیدہ سے قطعی

انکار کیا ہے ۔ اور ان تمام احادیث کو جن میں مہدی کی آمد کا ذکر ہے باطل قرار دیا ہے ۔

اس نے لکھا ہے کہ :

" بخاری اور مسلم میں اس قسم کی کوئی روایت موجود نہیں ۔ ترمذی اور ابو داؤد کی جن احادیث میں مہدی کی آمد کا ذکر ہے وہ عاصم سے مذکور ہیں اور عاصم کی مذکورہ اس حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے اور چونکہ قرآن کریم میں مہدی منتظر کا کوئی ذکر نہیں اور جس حدیث میں اس کا ذکر ہے وہ مشکوک ہے ۔ اس لئے ظہور مہدی کا عقیدہ اہل سنّت کے نزدیک بنیادی عقائد میں سے نہیں ہے اگرچہ بعض لوگ اس کے ظہور پر یقین رکھتے ہیں ۔"

تاہم جیسا کہ ابن خلدون نے بھی ذکر کیا ہے کہ تمام اہل اسلام میں یہ بات مشہور رہی ہے کہ آخری زمانہ میں اہل بیت میں سے ایک آدمی ظاہر ہوگا جو اہل اسلام کی تائید کرے گا ۔ عدل و انصاف کا قیام کرے گا ۔ مسلمان اس کی اتباع کریں گے اور وہ تمام ممالک اسلامیہ پر قابض ہو جائے گا ۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں شیعوں میں بھی مختلف گروہ ہیں ۔ جن میں سے مشہور ترین فرقہ اثنا عشریہ یا امامیہ ہے ۔ آگے چل کر اس فرقے میں سے بعض اور جماعتیں نکلیں ۔ جن میں سے مشہور اسمٰعیلیہ، شیخیہ اور بابیہ ہیں ۔ لیکن یہ جماعتیں نہ تو اس قدر اہمیت رکھتی ہیں اور نہ ہی ان میں شامل ہونے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا امامیہ کے ساتھ موازنہ کیا جائے ۔ اسی لئے ہم نے اپنی بحث کو صرف امامیہ تک ہی محدود رکھا ہے ۔

آج کل صرف ایران میں امامیہ شیعوں کی حکومت ہے اور وہاں شیعہ مذہب کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہے ۔ ویسے عراق، شام اور لبنان میں بھی ان کی بھاری تعداد آباد ہے ۔

ماخذ

نام کتاب	نام مصنف
طبقات ابن سعد	ابن سعد
الامامۃ والسیاسۃ	ابن قتیبہ
انساب الاشراف	بلاذری
تاریخ یعقوبی	احمد بن یعقوب
تاریخ الامم والملوک	طبری
تاریخ ابن خلدون	ابن خلدون
تاریخ دمشق	ابن عساکر
تاریخ الخمیس	دیار بکری
الکامل	ابن اثیر

نام کتاب		نام مصنف
انساب القرشیین	______	مقدسی
الاستیعاب	______	ابن عبد البر (مطبوعہ ہندوستان)
الاغانی	______	اصفہانی
معجم البلدان	______	یاقوت حموی
اسد الغابہ	______	ابن اثیر
الاصابہ فی تمیز الصحابہ	______	ابن حجر عسقلانی
صحیح البخاری	______	البخاری
شرح نہج البلاغہ	______	ابن ابی الحدید
وفیات الاعیان	______	ابن خلکان
وفات الوفیات	______	"
الفخری	______	ابن طباطبا
مروج الذہب	______	مسعودی
الاخبار الطوال	______	دینوری
البدایہ والنہایہ	______	"
الفصل فی الملل والنحل	______	شہرستانی

الملل والنحل ———— ابن حزم

عیون الاخبار ———— ابن قتیبہ

المواعظ والاعتبار ———— مقریزی

فرق الشیعہ ———— نوبختی

تمام شد

(مطبوعہ اشرف پریس لاہور)

تمدّنِ عرب

عربوں کے تمدّن کی مستند، مفصل اور مکمل تاریخ پوری تحقیق کے ساتھ، آرٹ پیپر پر عربوں کے آثار، نقوش، مرقعوں اور عمارتوں وغیرہ کی ۱۴۲ نادر عکسی تصاویر، تین نہایت مکمل اور مفصل نقشے۔

یگانۂ روزگار فرنچ مستشرق گستاؤلی بان کی معرکہ آرا اور زندۂ جاوید تصنیف جس کا ترجمہ آج سے ۶۵ سال پہلے ڈاکٹر سیّد علی بلگرامی نے کیا تھا۔ حیدر آباد کے چیف جسٹس نواب جیون یار جنگ بہادر کے عالمانہ مقدمہ کے ساتھ۔

قیمت : چالیس روپے صرف

مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خلیفہ ہارون رشید اور اس کا عہد

اسلام کی تاریخ انقلابات و فتوحات میں خلیفہ ہارون رشید کا نام سر فہرست ہے۔ اس کے عہد میں مسلمانوں کو جو عروج ہوا اور اسلامی لشکر جیتے دور دراز مقامات تک پہنچا وہ تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ہے۔

ہارون رشید کا عہد حیرت انگیز اور عجیب واقعات سے لبریز ہے۔ برامکہ کا عروج و زوال جعفر برمکی کی شخصیت اس سے متعلقہ واقعات اور افسانے، الف لیلیٰ کا ہارون رشید، اغانی کا ہارون رشید، تاریخ کا ہارون رشید یہ سب ایک ہی شخصیت کے جلوہ ہائے صد رنگ ہیں

رئیس احمد جعفری

نے بڑی محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد تاریخ کا یہ شہپارہ تالیف کیا ہے

قیمت : چھ روپے

مقبول اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۹ لاہور

محمد سعید کا نیا تاریخی ناول

بحری عقاب

غرناطہ میں اسلامی اقتدار کی شمع بجھ جانے سے ایسی تاریکیاں مسلط ہو گئیں جن کے نتیجے سے آگاہ ہو کر مسلمانوں نے بدحواسی کے ساتھ مسلمانوں نے شمالی افریقہ کا رخ کیا۔ ان کے تعاقب میں بحری یورپی قزاق مراکش، الجزائر اور تونس تک آ گئے اور بحیرہ روم مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اگرچہ ترک اسلامی پرچم کو سربلند کرنے کی کوشش میں وی آنا کی دیواروں تک جا پہنچے تھے لیکن ان کی ساری قوت صرف بری بیڑے پر مشتمل تھی۔ بحیرہ روم بدستور یورپی قزاقوں کی آماجگاہ بنا رہا لیکن شمالی افریقہ میں جنگ کی بو سونگھ کر چند بحری عقاب الجزائر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی ساری زندگی بحیرہ روم کی تھرتھراتی جھاگ اڑاتی طوفانی لہروں پر بسر ہوئی۔ ان کے بازو عقاب کے پروں سے زیادہ مضبوط، آنکھیں دوربین اور دل شجاعت سے معمور تھے۔ یہ لوگ بحری پرندوں کی طرح بحیرہ روم کی لہروں سے لپٹے اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلمان صرف بری قوت ہی نہیں بلکہ ناقابلِ تسخیر بحری قوت کے مالک بھی ہیں۔

قیمت ۔ روپے

مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

ہماری مطبوعات

کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
تمدن عرب	(تاریخ)	سید علی بلگرامی	40/-
خلیفہ ہارون رشید اور اس کا عہد	(تاریخ)	رئیس احمد جعفری	6/-
تاریخ خوارج	(تاریخ)	عمر ابو النصر	5/-
علی و عائشہ	(")	"	3/-
آل محمدؐ کربلا میں	(")	"	3/-
نگارشات آزاد	(مضامین)	ابو الکلام آزاد	4/50
آزادی ہند	(خود نوشت)	"	10/-
عوامی شاعر اور اس کا فن	(تنقید)	پروفیسر سجاد حارث	4/-
رنگ و آہنگ	(نظم)	عبد الحمید عدم	3/-
یورش	(ناول)	رئیس احمد جعفری	8/50
نازلی	(")	"	9/-
آنچ	(")	"	6/-
صیاد	(")	"	3/-
خون کی ہولی		ایم اسلم / رئیس احمد جعفری	....
محبت کا انتقام	(ناول)	"	....
بادبان کھول دو	(")	اے حمید	....
بحری عقاب	(")	محمد سعید	....
شہزادی	(")	"	....
اور گھنٹی بجتی رہی	(")	قمر نقوی	....
ہم سفر	(")	"	....
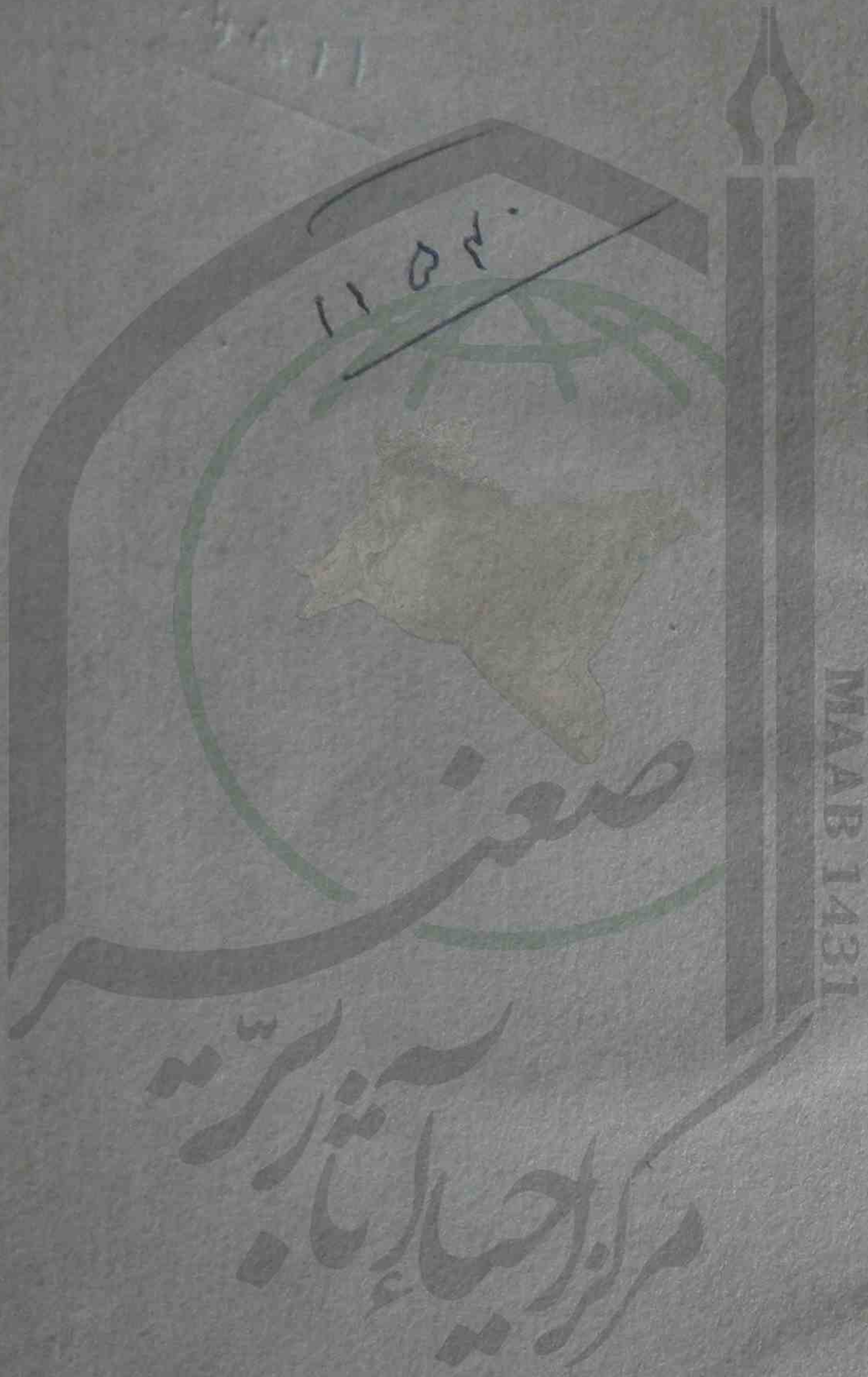
مقبول اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
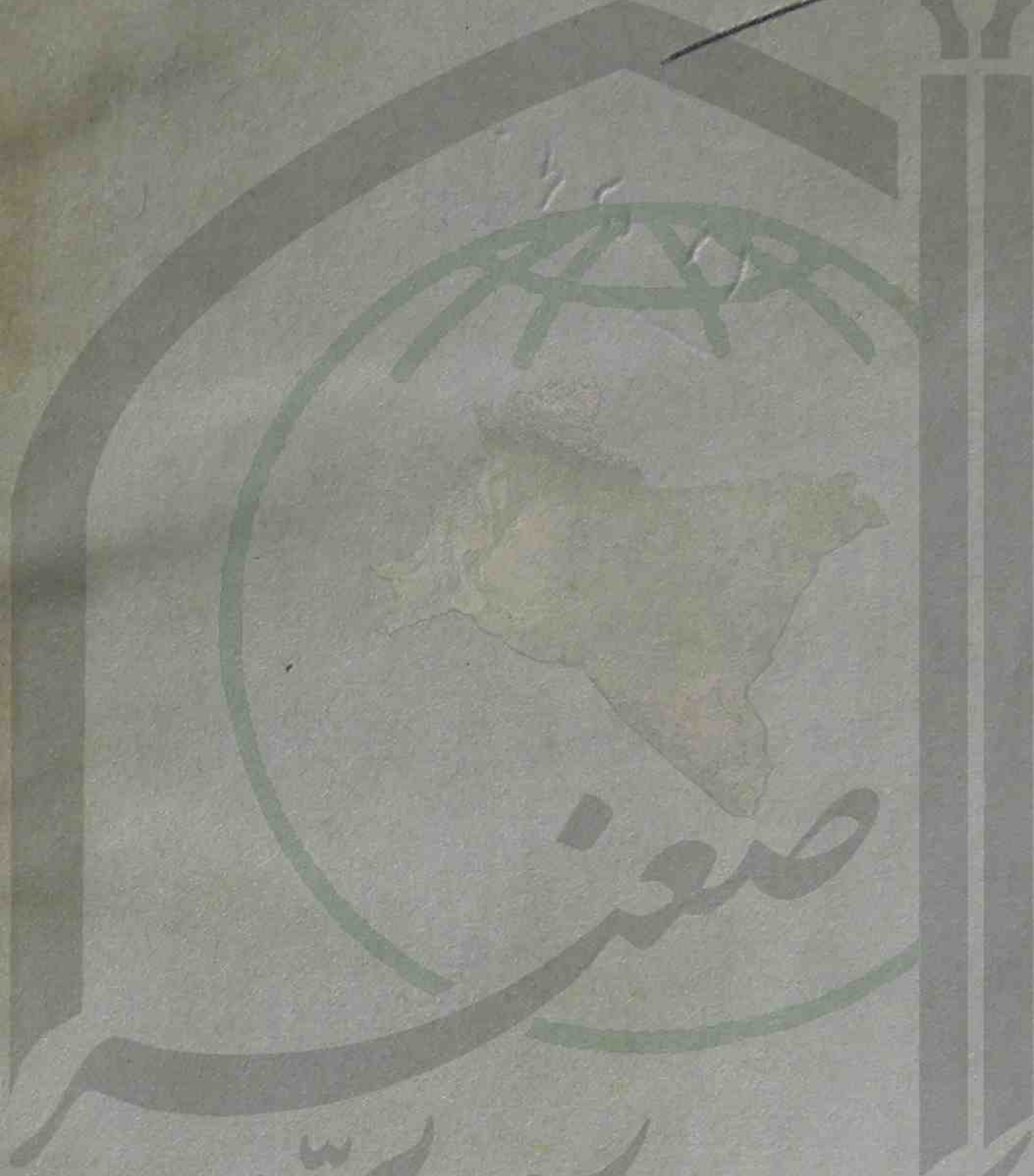
ہماری مطبوعات

تمدن عرب	سید علی بلگرامی	40/-
تاریخ خوارج	عمر ابوالنصر	5/-
خلیفہ ہارون رشید اور اسکا عہد	رئیس احمد جعفری	6/-
آزادی ہند	رئیس احمد جعفری	10/-
نگارشات آزاد	ابوالکلام آزاد	4/50
علی و عائشہ	عمر ابوالنصر	3/-
آل محمد کربلا میں	عمر ابوالنصر	3/-
عوامی شاعر اور اسکا فن	پروفیسر سجاد حارث	4/-
رنگ و آہنگ	عدم	3/-
یورش	رئیس احمد جعفری	8/50
نازلی	رئیس احمد جعفری	9/-
آنچ	رئیس احمد جعفری	6/-
صیاد	ایم اسلم	3/-
خون کی ہولی	رئیس احمد جعفری	......
محبت کا انتقام	رئیس احمد جعفری	......
بادبان کھول دو	اے حمید	......
شہزادی	محمد سعید	......
بحری عقاب	محمد سعید	......

مقبول اکیڈمی لاہور نمبر ۲

سر ورق رحیم آرٹ پرنٹرز لاہور میں چھپا